اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماھنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵
شمارہ ٦

شعبان ۱۴۱۰ھ
مارچ ۱۹۹۰ء

بانی
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون : عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپیہ فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

شہید ناموسِ صحابہؓ
مولانا حق نواز جھنگویؒ

ناموسِ صحابہؓ کے منّاد، مسلکِ اہلِ سُنّت والجماعت کے ترجمان، دینی اور ملی محاذ کے ممتاز رہنما، بہادر اور نڈر سپاہی، انجمن سپاہِ صحابہؓ کے بانی اور سرپرست حضرت مولانا حق نواز جھنگوی مُلک اور بیرونِ ملک تیار ہونے والی ایک منظم سازش اور سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت اسلام دشمن، بے رحم اور سفاک قاتلوں کے ہاتھوں ۲۳ فروری شبِ جمعہ کو جھنگ میں خلعتِ خونِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حق نواز جھنگویؒ کی شہادت صرف پاکستان کے مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے تمام اہلِ سنت والجماعت کے لیے ایک المناک اور شدید اندوہناک سانحہ ہے۔ مگر افسوس اور ماتم تو ان محرکات اور حالات کا ہے جو سیاسی بھی ہیں اور مذہبی بھی، ورنہ مولانا جھنگویؒ کی یہ قابلِ رشک شہادت اور مبارک انجام، آہ و حسرت اور شیون و ماتم کا نہیں بلکہ مردانِ حق اور قافلۂ دعوت و عزیمت کے لیے صد ہزار افتخار کا مقام ہے کہ وہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، سلف صالحین اور اکابرینِ اہلِ سُنّت کے طریقے پر عمل پیرا ہے۔

مولانا حق نواز شہیدؒ نے جہد و عمل، جہادِ عزیمت، ابتلاء و محن میں صبر و استقامت اور شجاعت و بہادری کے اسلامی اور تاریخی عمل کو دوام بخشا۔ مرحوم عَاشَ سَعِيدًا وَمَاتَ شَهِيدًا کا مصداق بن گئے۔ ابھی وہ جوان تھے اور ان کی زندگی بہت مختصر رہی مگر قربانی کے روشن چراغ جلا کر دعوت و عزیمت کے سینکڑوں ابواب کو روشن اور تابدار بنا دیا۔

ایران میں خمینی انقلاب کے بعد پورے عالمِ اسلام میں تخریب کاریاں بڑھ گئیں۔ حرمین شریفین میں دنگا فساد، ہلڑ بازی، قتل و غارت گری اور مقدس مقامات کی بیحرمتی کرائی گئی، لبنان میں شیعہ امل ملیشیا کے مظالم، مسلمانوں کو بھوکوں مارنا اور ایران کی زبردست پشت پناہی، سلمان رُشدی کی رُسوائے زمانہ کتاب اور ایران کے ڈرامائی کردار اور بھیانک پس منظر میں ایرانی عزائم پوری دنیا پر عیاں ہو گئے۔

ایران بہادر کی شہ پر داخان، ہنزہ، گلگت، چترال اور شمالی علاقہ جات پر مشتمل ایک عالمی سازش کے تحت اسماعیلی ریاست کی تشکیل اور ایک عجمی اسرائیل کے قیام کی منصوبہ بندی بھی تو اسی سلسلۂ مذمومہ کی پیش رفت ہے۔

پاکستان میں "تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ" کی اٹھان اور ملک بھر میں ایک خاص طبقہ کی نظام حکومت پر مکمل تسلط کی زیر زمین سرگرمیاں تیز تر کر دی گئیں۔ گذشتہ دورِ حکومت میں بلوچستان میں اعدائے صحابہ کے مظالم، معصوم اور بے گناہ بچیوں پر چیرہ دستیوں کے وحشیانہ مظاہرے اور سابقہ وزیرِ داخلہ کا اسے ایرانی تخریب کاروں کی کارستانی قرار دینا سب کے سامنے ہے۔ کچھ عرصہ قبل وفاقی حکومت کی سرپرستی اور بھرپور تعاون سے شیعہ راہنما عارف الحسینی کے قاتلوں کی گرفتاری کے سلسلہ میں اعداءِ اسلام کے سیاسی عزائم کے ممکنہ فروغ اور سنیت کی بیداری اور سیاسی قوت کا اندازہ لگا یا گیا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اہلِ سنت میں وہ حقیقت باقی نہیں رہی جس کا انہیں پندار ہے ــــ اور جب گھر کا مالک اپنے گھر میں بھاری پتھروں کے پھینکے جانے سے بھی ڈاکوؤں اور لٹیروں کا تعاقب تو کجا خوابِ غفلت سے بھی بیدار نہیں ہوتا تو ان قزاقوں نے کھل کر سنی قیادت کو راستے سے ہٹانے اور سفاکی و بربریت کے ساتھ علماءِ حق کو قتل کر دینے کی منصوبہ بندی بنالی۔ جس کی خبر مولانا حق نواز جھنگوی نے متعدد جلسوں میں اپنی شہادت سے قبل کر دی تھی، مگر امن کے محافظ اور اربابِ اختیار ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ بالآخر وہی ہوا جس کے لیے مولانا حق نواز جھنگوی بیتابی سے منتظر اور قطعی طور پر تیار بیٹھے تھے ۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت ‏ ‏ ‏ ‏ سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

مرحوم اپنی شہادت سے کچھ روز قبل دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، دارالعلوم کے مہمان خانہ میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سے ملاقات کی۔ اعدائے اسلام کی زیرِ زمین خطرناک اور مستقبل کے لحاظ سے بھیانک سرگرمیوں اور اس کے سدِباب کے لیے ممکنہ لائحہ عمل اختیار کرنے پر تبادلہ خیال کیا اور ۲۰ / مارچ کو مینارِ پاکستان لاہور میں انجمن سپاہِ صحابہؓ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی مجوزہ "دفاعِ صحابہؓ کانفرنس" میں شرکت کی انہیں دعوت دی اور اس کے انعقاد کے سلسلے میں سرپرستی کی درخواست پر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جماعتی سطح پر بھرپور تعاون کی یقین دہانی اور اسے اپنے مشن کی تکمیل کا اہم مرحلہ قرار دیا ـــ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں قدرے آرام فرمانے کے بعد مولانا مدظلہ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا اور ان کے ارشاد پر ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں طلبۂ دارالعلوم سے مفصل خطاب بھی فرمایا۔

اسلام کے اس شعلہ بیان خطیب کی قائدانہ صلاحیتیں ہر جگہ ممتاز اور نمایاں شکل میں ابھریں، عمر بھر کا مشغلہ شانِ صحابہؓ کا دفاع، باطل قوتوں اور دشمنانِ صحابہؓ کا تعاقب رہا ـــ ان کی شعلہ فشانی سے دل پگھل جاتے، ان کی پکار اور للکار سے سامعین اور مخاطبین میں غیرت و حمیت اور انقلاب و تحریک کے جذبات کی انگیخت ہوتی اور کچھ عجیب سا سماں بندھتا تھا ـــ حضرات صحابۂ کرامؓ اور مسلکِ حقہ اہلِ سنت کے خلاف جو آواز بھی اٹھی، لٹریچر چھپا یا اشرار نے یورش کی تو مولانا حق نواز خرمنِ باطل پر ایک صاعقہ بن کر گرے۔ مرحوم تحصیلِ علم کی تکمیل سے شہادت تک منبر و محراب سے اہلِ رفض کے جواب میں صحابۂ کرامؓ اور اہلِ سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے ہر میدان میں شعلہ جوالہ بن کر

حق کی حفاظت کی خاطر چمکتے رہے۔ دفاعِ صحابہؓ کی چھاپ ان کی پوری زندگی پر حاوی رہی۔ میدانِ خطابت میں اپنی
قلندرانہ اور مجاہدانہ شان کے ساتھ پورے طمطراق اور جاہ وجلال سے اُترتے۔ اُن کی خطابت کا انداز منفرد اور شان
مجاہدانہ تھی۔ جرأت و بیباکی، دین کے اعلاء واشاعت کے میدان میں جرأت مندانہ کردار اور آتشِ نمرود میں
بے خطر کود پڑنے کا یہی جذبہ اُن کے قول وعمل اور تقریر وخطاب کا ہدف ہوا کرتا تھا جس میں بالآخر وہ کامیاب
ہوگئے اور اُمت کے لیے اخلاص، جوشِ عمل، دینی حمیّت، مقصد سے شغف، ولولہ، سوز، للّٰہیت، دفاعِ صحابہؓ،
عشقِ رسولؐ اور جانبازی وجاں سپاری کا کتنا پیارا، قابلِ رشک اور عزیمت سے معمور نمونہ چھوڑ گئے۔
مولانا حق نواز شہیدؒ اعداء صحابہ کے تعاقب میں کسی مداہنت، سیاست یا مصلحت بینی کے روادار نہ تھے، وہ
بلاخوفِ لومۃ لائم ان کی سبائیت، فتنہ پردازی، ناپاک عزائم، دینِ اسلام کے خلاف سازشوں اور کفر وعدوان کو
ظاہر کرتے۔ مرحوم کو مروجہ لادین سیاست میں بلند ترین مناصب اور خوش آئند سیاسی قیادت کی پیشکش کی گئی، جس
کے سامنے بڑے بڑے پیرانِ پارسا اور دعویدارانِ زہد وورع بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ انہیں طمع ولالچ اور ڈراتے
دھمکاتے کے صدہا طریقوں سے آزمایا گیا، جب وہ کسی طرح بھی لادین مغربی سیاست کے چنگل میں نہ رہ سکے
تو انہیں تنہا چھوڑ دیا گیا، فرقہ واریت کا علمبردار کہا گیا، اغیار سے تو گلہ نہیں اپنوں نے بھی دھتکار دیا اور بدقسمتی
سے اب بھی بعض خالص مغربی طرزِ فکر کے مریض سیاسی راہنما مسلمانوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ مولانا حق نوازؒ کی
شہادت کا سوگ اور احتجاج ختم کر دیا جائے کہ اس سے فرقہ واریت کو فروغ ملتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
الغرض مولانا حق نواز جھنگویؒ نے اپنی زندگی میں دفاعِ صحابہؓ اور اظہارِ حق کی خاطر اپنی سیاسی
وابستگیاں تج دیں، اپنے احباب کی ناراضگیاں مول لے لیں مگر حق وصداقت پر مبنی مؤقف سے سرِمو نہ ہٹے۔
ستمبر ۱۹۸۹ء میں متحدہ علماء کونسل کے زیرِ اہتمام کوئٹہ کے جلسۂ عام میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دعوت پر تشریف
لائے، مگر اس سے قبل انہوں نے اپنے سیاسی رفقاء کار کے تیور پڑھ لیے تھے، جلسہ میں گڑبڑ کر دی گئی لیکن اس کے
باوجود جلسہ بھرپور اور کامیاب رہا۔ مولانا حق نوازؒ نے بھی مفصل خطاب فرمایا اور مولانا سمیع الحق کے اہداف اور
عملی ترجیحات میں متحدہ علماء کونسل کی تشکیل اور سیاسی مؤقف کو سراہا اور اس سے وابستگی کو اپنا دینی فرض قرار دیا۔
مولانا مرحوم نے اس موقع پر دوٹوک اعلان فرمایا کہ جمعیۃ علماء اسلام کو اپنی مذہبی ذمہ داری، دینی حیثیت اور
منشور کے پیشِ نظر متحدہ علماء کونسل کے ساتھ بھرپور تعاون اور اعدائے اسلام کی یلغار کے خلاف کھل کر کام کرنا
ہوگا۔ ایسے حالات میں کسی کا خاموش رہنا شیطان اخرس کے مترادف یا پھر اعدائے اسلام کی ایجنٹی کے بغیر کوئی
کوئی دوسری تاویل ممکن نہیں ــــــ اس کے اظہار میں مولانا مرحوم نے کسی بھی سیاسی دباؤ کو قبول نہیں کیا بلکہ جتنے
دباے گئے اُتنی ہی شدت سے جذبۂ اظہارِ حق، مقامِ عزیمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی انگیخت بڑھتی گئی اور وہ

ایک مردِ غیور اور منادِ حق بن کر علماءِ حق کی لاج رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

مولانا حق نواز کا مؤقف تھا جسے مولانا سمیع الحق مدظلہ کی بھرپور حمایت حاصل تھی کہ "ایران میں شیعہ کی اکثریت ہے اور سُنّی اقلیت میں ہیں، اگر ایران میں سُنّی اقلیت ایران کے اقتدار میں شریک نہیں ہو سکتی تو پھر ہم پاکستان میں جہاں سُنّی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور شیعہ اقلیت میں ہیں کسی طرح اقلیتی شیعہ گروہ کو کسی قاعدے اور انصاف سے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے برداشت نہیں کر سکتے"۔

مولانا حق نواز جھنگوی جب زندہ تھے تو انہیں نہیں پہچانا گیا اور مولانا مرحوم کو بھی یہی شکایت رہی کہ سیاسی راہنماؤں کی مداہنت، بیرونِ ملک وابستگیاں، سفارتخانوں سے تعلقات، غیر ملکی دورے، ایران سے ہمدردیاں اور مغرب کی مروجہ لادین سیاست "سُنّیت" کی عظمت، جمہور اہلِ سُنّت کے حقوق کے تحفظ اور فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اعداءِ صحابہ تقیہ باز ہیں، ان سے کبھی بھی اسلام کی خیر خواہی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ اس کا برملا اعلان کرتے اور اسی "جرم" کی پاداش میں انہیں یہ سزا دی گئی مگر حقیقت میں وہ ایسی راہ پر چلے گئے ہیں جہاں جنّت کی حوریں ان کے انتظار میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیے بیٹھی ہیں۔ جب مقاصد بلند ہوں، نیّت خالص اور عزائم بے لوث ہوں تو ایسے لوگ کبھی نہیں مرتے بلکہ آخرت کی ابدی زندگی ان کا استقبال کرتی ہے۔

ایرانی گماشتوں اور اعدائے اسلام کے ایجنٹوں، بے رحم اور سفاک قاتلوں کے اس سفاکانہ اقدام، وحشیانہ جسارت، بزدلانہ حرکت اور مولانا حق نوازؒ کی مظلومانہ شہادت پر ملک بھر کے غیور مسلمانوں میں تشویش اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی، پورا ملک ماتم کدہ بن گیا۔ احتجاجی جلسے ہوئے، کامیاب ہڑتالیں ہوئیں، عظیم جلوس نکالے گئے مگر کیا اس سے مولانا حق نوازؒ واپس آ جائیں گے یا دو چار قاتلوں کی گرفتاری سے مرحوم کا حق ادا ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں ؎

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا؟
تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا؟

مرحوم تو خوش نصیب تھے، شہادت کا عظیم مقام پا گئے، ان کا حق اہلِ سُنّت والجماعت کو محض ماتم و نوحہ، اخباری بیان، ہڑتالوں، جلوسوں، احتجاجی جلسوں اور قاتلوں کی گرفتاری سے نہیں بلکہ دینی حمیّت، دفاعِ صحابہؓ، ردِّ روافض، عقل و شعور اور دینی حس کی بیداری، حقوقِ اہلسنّت کے تحفظ اور صورتحال کا عمیق جائزہ لینے اور مولانا شہیدؒ کے مشن کو آگے بڑھانے اور اس میں بھرپور کامیابی حاصل کرنے کی منصوبہ بندی اور لائحہ عمل پر سوچنے سے ادا کرنا چاہیئے۔ اگر خدا کی یہ زمین معصوم اور بے گناہ انسانوں کے خون سے لالہ زار بنتی رہی، علماءِ حق کی عزّت و آبرو اس طرح برسرِ عام لٹتی اور رسوا کی جاتی رہی تو اس ملک کا بھی خدا حافظ ہے اور خدا کے ہاں ظلم و تشدد سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں ——— حق تعالیٰ مولانا حق نواز شہیدؒ کو مقربین اور شہداء صالحین کے مراتب عطا کرے اور پاکستان کے تمام اہلِ حق علماءِ دعوت و عزیمت کو ان کا بدل نصیب ہو۔ آمین

(عبد القیوم حقانی)

مولانا عبد القیوم حقانی

خندۂ استہزاء یا دیدۂ عبرت

دیارِ مغرب سے پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیئے!

آج سے کچھ عرصہ قبل ۶ مارچ ۱۹۸۹ء کے روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی میں ایک خبر پڑھی تو اس کا تراشہ رکھ کر محفوظ کر لیا تھا، خیال تھا کہ مادی ترقی اور تہذیبِ جدید کے اس دور میں اپنے احباب کی بھی اس خبر سے ضیافتِ طبع کر دوں گا لیکن پھر دیگر مشاغل اور تعلیمی مصروفیات میں اس طرح گھر گیا کہ اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا۔ آج اتفاق سے گذشتہ سال کی ڈائری کھولی تو وہی تراشہ سامنے پایا، لیجئے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے! پہلی سُرخی ہے:۔

۱۹ سالہ انگریز نے کُتیا سے شادی کر لی

دوسری سُرخی یہ ہے:۔

یہ دونسلوں کے درمیان بہترین رابطہ ہے

یورپ کے متمدن اور ترقی یافتہ معاشرے کے ایک ۱۹ سالہ نوجوان نے اپنی کُتیا سے شادی رچالی ہے۔ دولہا کا نام "مارک سٹیڈ" اور دُلہن جو اعلیٰ نسل کی کُتیا ہے، کا نام "ہیکسی" ہے۔ شادی کے دن مارک سٹیڈ سیاہ رنگ کے سُوٹ میں ملبوس اونچا ہیٹ پہنے ہوئے تھا جبکہ اُس نے اپنی "زوجہ" کے گلے میں سفید رنگ کی پٹی ڈال رکھی تھی، شادی کی تقریب مقامی شادی ہال میں ہوئی جس میں ۶۰ مہمانوں نے شرکت کی، تقریب کے بعد مارک نے اپنی "دُلہن" کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا:۔

"بے شک تم کُتیا ہو لیکن مَیں تم سے محبت کرتا ہوں"

مارک جو آرٹس اور ڈیزائن کا طالبِ علم ہے، نے اپنی شریکِ حیات کے بارے میں مزید کہا کہ ـــــ "لوگ عورت سے محبت کرتے ہیں جبکہ میں اپنی کُتیا سے محبت کرتا ہوں اور میں اپنی کُتی بیوی "ہیکسی" کی اتنی خدمت کروں گا جتنی ایک خاوند اپنی بیوی کی کر سکتا ہے"۔

ایک انگریزی جریدے کے مطابق شادی کی دوسری تقریب (ولیمہ) "مارک" کے گھر واقع "وکسفورڈ اسیکس" میں ہوئی جس میں "مارک" کی ۴۳ سالہ والدہ محترمہ "مم ارین" نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا جبکہ دولہا کی بہنیں ۱۲ سالہ

"لی" اور "ناہن" اور بھائی "جوڈی" نے شراب سے مہمانوں کی تواضع کی۔

مارک کے ایک دوست نے جب "ہیکسی" سے پوچھا کہ "کیا وہ اسے بحیثیت خاوند قبول کرتی ہے تو ہیکسی نے جواب میں اپنا سر زمین پر جھکا لیا جس کے بعد تمام مہمانوں نے بیک آواز خوشی سے گانا اور ناچنا شروع کر دیا۔"

مغربی تہذیب کے اسرار و رموز، اس کا مادہ پرستانہ مزاج، خود پسند قومیت، جانبدارانہ وطنیت تو اس کی سرشت میں ہے ہی مگر اس کا سب سے کمزور اور مذموم پہلو افلاس اقدار و اخلاق اور تعبیر عریانی و فحاشی ہے جس کی ایک جھلک گذشتہ واقعہ میں آپ نے دیکھ لی، یہی وجہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب سے متاثر ذہن مذہب اور اخلاقی و روحانی اقدار کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ فساد قلب و نظر اسی تہذیب کی ناپاکی کا ثمرہ ہے۔ کتیا سے انسان کی شادی اس کا ایک ادنیٰ مظہر ہے، ان سے قلب سلیم کی دولت چھن گئی ہے ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک، خیال بلند و ذوق لطیف

قارئین کرام! کتیا سے انسان کی شادی یورپ کا ایک واقعۂ شنیعہ قرار دے کر خندۂ استہزاء سے نہ ٹھکرائیں اپنے گرد و پیش کے ماحول اور اسلامیان پاکستان کا بھی محاسبہ کریں، اغیار کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے قبل اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھ لینا چاہیئے۔ ہفت روزہ "زندگی" لاہور کا ایک مزید تراشہ پیش خدمت ہے کہ اس آئینے میں اپنا چہرہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں کرکٹ میچ دیکھنے کیلئے جالندھر (بھارت) سے آنے والی ایک خاتون "کلدیپ فتح سنگھ" نے نمائندہ "زندگی" کے سوال کے جواب میں کہا:-

"میں نے شدت سے جو بات محسوس کی وہ یہ کہ میری نظر اسلامی معاشرے کی اس عورت کو تلاش کرتی رہی جو اسلامی تاریخ کے صفحۂ قرطاس پر ایک اعلیٰ کردار، عزت و عصمت کی مورت اور پردے کی دلدادہ عورت تھی اور جس کی اسلام سے والہانہ محبت اور اسلامی قدروں سے گہری وابستگی تھی وہ کہیں نظر آئی ——

یہاں کی عورت فیشن میں یورپ کے شانہ بشانہ چل رہی ہے ہم خود تو اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ ہندوؤں اور سکھوں کے یہاں پردے کا اتنا اہتمام شروع ہی سے نہیں لیکن مسلمانوں کے ہاں تو شروع ہی سے پردے کی خاص اہمیت رہی ہے۔

مجھے یہاں آکر ایسا لگا ہے جیسے اکثر پاکستانی عورتوں نے پردے کے خلاف بغاوت کردی ہے، میں آٹھ دس سال پہلے بھی آئی تھی لیکن اُس وقت میں اور آج میں نمایاں فرق محسوس ہوا اُس وقت پاکستانی مسلمان عورت کو اس طرح کُھلے بندوں پردے سے بے نیاز نہیں دیکھا تھا، آج کی عورت کو دیکھ کر تو عقل حیران رہ گئی، اگر میری بات کا بُرا نہ مانیں تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ پاکستانی عورت کا ایک طبقہ مغربی تہذیب کی پرورش میں گھرا ہوا ہے، ایک اسلامی مُلک کی عورت کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے، مجھے تو کم از کم ایسی عورتوں کو بیباکانہ انداز میں پھرتے دیکھ کر شرم محسوس ہوتی ہے۔"

دیکھا آپ نے کلدیپ فتح سنگھ کا تبصرہ! آخری مذہبی تہذیب کے پاس ہے کیا؟ اس تہذیب کی اساس ہی دین و اخلاق کی دائمی دشمنی پر قائم ہے۔ یہ بے خدا تہذیب ہمیشہ اہلِ حق کے ساتھ نبرد آزما رہی ہے، یہ وہ دزدِ دلاور ہے جو دن دیہاڑے ڈاکہ ڈالتا اور انسان کو بے روح و بے قیمت بنا دیتا ہے۔ مغرب کے پاس تہذیب کی رونق و بہار، وسعتِ اقتدار اور برق و بخارات کے استعمال و اختیار کے باوجود بے چینی و اضطراب سے چھٹکارا نہیں، ان کے پاس بجلی کی روشنی ضرور ہے لیکن اس سے کوئی فکری راہ روشن نہیں ہوتی اور نہ عالمِ غیب کی نورانیت کی اس میں کوئی جھلک ملتی ہے۔ یورپ میں علم و ہُنر کی ترقی بہت ہے مگر یہ بحرِ ظلمات چشمۂ حیوان نہیں رکھتا۔

لاریب کہ یورپ میں انسان اور کُتیا کی شادی واقعۂ شرمِ انسانیت کردار ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے مگر اسلامیانِ عالم کو محض مذمت اور خندۂ استہزاء پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنی دینی اور مذہبی ذمہ داری کے پیشِ نظر اسے دیدۂ عبرت سے دیکھنا چاہیئے اور دیارِ مغرب سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لینی چاہیئے۔

رسالہ "جدوجہد" لاہور کا ایک تراشہ ملاحظہ فرمائیے جس میں ایک رقاصہ نے اب کے ترقی یافتہ آرٹ اور ثقافت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

"میں ایک رقاصہ ہوں، ایک طوائف ہوں اور آج بھی مجھے معاشرے میں بُری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے ہندوستان کی بڑی بڑی سلطنتوں کے وارث پیدا کیے ہیں۔ ہمیں نوابوں، راجاؤں، بادشاہوں اور اُمراء کی عیش و عشرت کے لیے لایا گیا لیکن ہم نے اپنے فن یا فن کے کمال سے انہی ریاستوں میں حکمران بن کر حکومت کی چنانچہ آج بھی ہمارے بھائی بند کئی جاگیروں کے مالک ہیں۔ ہمیں اب تک کوئی یہ نہیں بتلا سکا کہ ہمارا قصور کیا ہے لیکن جو شریف زادیاں آج کلبوں اور نجی محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں، اپنے جسم کی عُریانی سے کشش پیدا کرتی ہیں، ان کا ناچ گانا اور ڈرامہ کرنا ایک ثقافتی پروگرام بن گیا ہے۔ کالجوں اور سکولوں میں دخترانِ ملت کو ہمارے انداز پر سب کچھ سکھایا جاتا ہے جو آرٹ بن گیا ہے۔ بڑے بڑے ماڈرن اور فیشن پرست رئیسوں کے

گھروں میں وہی تکیئے، وہی سارنگی اور طبلے نظر آئیں گے جن کی دختروں، بہنوں اور بیویوں کو میوزک ماسٹر تعلیم دینے گھر آتے ہیں، پھر ہمارے اور رئیسوں کے درمیان امتیاز کیوں؟

وہ بھی وقت تھا جبکہ فیشن ہمارے گھروں سے نکلتا تھا مگر اب ہم شریف زادیوں کی نقل کرنے پر مجبور ہیں، کیا کوئی بتائے گا کہ کلچرل پروگراموں میں حصہ لینے والی لڑکیوں، اور طوائفوں میں کیا فرق ہے؟

مغربی تہذیب کے مشرق میں آئی تو انسانیت کی آبرو لٹ گئی اور ع

حیا سر پیٹتی ہے عصمتیں فریاد کرتی ہیں

سٹیج پر آکر انسانی مساوات اور عدالتِ اجتماعی کی تعلیم دینے والے مغربی تہذیب کے علمبردار درحقیقت اخلاق و شرافت، غیرت و حمیت اور انسانیت کا خون پیتے ہیں۔ بیکاری و عریانی، مے نوشی اور افلاس فرنگی مدنیت کے سرفہرست فتوحات اور کارنامے ہیں ؎

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

جو قوم فیضانِ سماوی سے محروم ہوتی ہے اُس کے کمالات کی حد اور مبلغ علم برق و بخارات سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس تہذیب میں مشینوں کی حکومت ہے، صنعت و حرفت کی بادشاہی ہے اور اسی کا سکہ چل رہا ہے مگر اس میں دلوں کی موت، احساسِ مروت اور انسانی شرف و عزت کی ہلاکت بھی یقینی ہے ؎

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم

حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

تہذیبِ مغرب نے دیارِ مغرب میں جس اخلاق سوزی اور انسانیت سوزی کا کردار ادا کیا ہے کیا اہلِ مشرق اُسی کو سینہ سے لگا کر ادبار و تنزل کی موجودہ منزلت تک نہیں پہنچے؟ کیا ایک رقاصہ کا طعنہ اور کلدیپ فتح سنگھ کا تبصرہ اسلامیانِ پاکستان کے منہ پر شرم و رسوائی کا عبرت انگیز طمانچہ نہیں؟ ہے کوئی دیدۂ عبرت جو وا ہو سکے؟

جناب سید غلام محی الدین صاحب لکھنؤ

روس میں اسلامی بیداری کی ایک لہر

عوامل و محرکات اور پس منظر کا ایک جائزہ

آذربائیجان اور روس میں مسلمانوں کی حالیہ اسلامی بیداری اور تحریک حریت وہاں کے اہلِ اسلام کی اُن مسلسل مساعی کا نتیجہ ہے جن کو روزِ اول سے ہدف بنا کر مسلمانوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اہلِ اسلام کے مذہبی رجحانات، دینی تصلب اور اسلامی انقلاب کے عزائم کو مغربی دنیا "اسلام کی خوفناک پیش قدمی" سے تعبیر کر رہی ہے۔ روسی نظام اور کمیونزم کے ستائے ہوئے معاشروں میں اسلامی بیداری کی تازہ ترین لہر جہاں اسلام کی صداقت کی دلیل ہے وہاں عالمی معاشرے میں اسلام کے درخشاں مستقبل کی نوید بھی ہے۔ یہ صورتحال کوئی اچانک رونما نہیں ہوئی بلکہ اس کے طویل پس منظر میں مسلمانوں کے مساعی خود اسلام کی حقانیت و زندگی اور اس سلسلہ کے اسباب و محرکات پیدا کیے گئے جس سے اسلامی بیداری کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔ جناب غلام محی الدین صاحب ذیل کے مقالہ میں اس موضوع سے متعلق بحث کرتے اور اس سلسلہ کے پس منظر، عوامل اور محرکات کی نشاندہی کرتے ہیں ——— (عبدالقیوم حقانی)

سوویت روس کی حکومت کا ڈھانچہ زار کی حکومت سے کچھ مختلف نہیں رہا ہے۔ کلّیت پسندی (Totalitarianism) پر اس کی بنیادیں قائم ہیں، بلکہ اکثر مفکّرین کا یہ خیال ہے کہ اگر زار کی حکومت کے زمانہ میں روسی عوام ایک جابرانہ کلیت پسند حکومت کے عادی نہ ہو چکے ہوتے تو ان کے لیے اتنی مدت تک موجودہ روسی اشتراکی نظام کے تحت زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ بہر حال انقلاب کے زمانہ میں روسی سامراج پسندی نے اپنا چولا بدل لیا تھا لیکن نظامِ حکومت جوں کا توں برقرار رہا۔ پھر بھی دنیا کے دوسرے حصوں میں مفتوحہ عوام نے نوآبادیاتی حکومتوں کا جوا اُتار کر پھینک دیا ہے، کہیں پُرامن جدوجہد کے ذریعہ

اور کہیں جنگ و جدال کے ذریعہ۔ خاص طور پر عالم اسلام میں نو آبادیاتی حکومتوں کے خلاف سب سے زیادہ بیزاری کا اظہار کیا ہے لیکن وسط ایشیا کے مسلم علاقے اب تک روس کے زیر نگیں ہیں حالانکہ ایرانی اور روسی آذر بائیجان میں کوئی فرق نہیں ہے، نہ لسانی، نہ مذہبی اور نہ نسلی۔ پھر روسی آذر بائیجان میں ویسی بیزاری کیوں نہیں پائی جاتی جیسی ایک زمانہ میں تبریز میں امریکی فوجی مشیروں کی موجودگی سے پیدا ہوگئی تھی۔ وہاں کوئی سرفروش قائد کیوں نہیں پیدا ہوا؟

اس سوال کا جواب مختلف انداز میں دیا گیا ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ روس کے ماتحت مسلم علاقوں میں کافی بے چینی پائی جاتی رہی، لیکن اس کی خبریں ہم تک نہیں پہنچتی تھیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ روس کے آہنی پردہ کے اندر کی خبریں مشکل ہی سے ملتی تھیں، لیکن کسی شدید بے چینی کو چھپانا روسیوں کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ روس کی سرکاری مطبوعات سے ان بے چینیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر مذہب کی بیخ کنی کے لیے کیے جانے والے اقدامات سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامیات کے فرانسیسی ماہر الگزنڈر بنگسن (ALEXANDER BENNIGSEN) کا کہنا ہے کہ روس میں اسلام کے احیاء کی تحریکیں مختلف شکلوں میں چل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے قائد وہ سرکاری علماء نہیں ہیں جن کو مختلف مسلم علاقوں کی جمہوریتوں میں سرکاری سرپرستی دے کر حکومت کی موافقت میں بیانات دلوائے جاتے ہیں بلکہ یہ تحریک ان صوفی سلسلوں کے ذریعہ چلائی جارہی ہے جو اشتراکیت اور روس کی بالادستی کے سخت مخالف ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں پچھلے پندرہ برسوں میں ان صوفی سلسلوں کے ذریعہ کی جانے والی کارروائیوں کی شہادت روس کے سرکاری مطبوعات اور اخباروں کی مدد سے پیش کی ہے لیکن یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بنگسن کے ذریعہ پیش کردہ شہادت زیادہ تر کوہ قاف کے شمالی پہاڑی علاقوں سے متعلق ہے جہاں کی کثیر آبادی ابھی تک غیر ترقی یافتہ ہے۔ ان شہادتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات یہ صوفی حلقے تشدد کا راستہ بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس سے روس کے دوسرے مسلم علاقوں کی بیداری پر کافی روشنی نہیں پڑتی۔

اکثر اوقات بعض واقعات سے بھی پس پردہ بے چینی کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۴ دسمبر ۱۹۸۰ء کو وسط ایشیا میں خرگیز سوویت ری پبلک کے وزیر اعظم کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک ماسکو کی سپریم سویٹ میں اس بات پر بحث چلتی رہی کہ چین اور افغانستان سے

ملحق روسی علاقوں میں امن و امان کس طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے تاکہ دوبارہ اس قسم کے جرائم نہ ہوسکیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ قتل ذاتی دشمنی کا نتیجہ تھا یا اس میں حکومت کے مخالف عناصر کا ہاتھ تھا لیکن سپریم سوویٹ کی پوری بحث میں اسلام پسند عناصر کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

اس سوال کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ وسط ایشیائی باشندوں کو اس کا بخوبی احساس ہے کہ ان کے حالات دوسرے سامراجی ملکوں، جیسے برطانیہ، فرانس وغیرہ کے مقبوضات سے مختلف ہیں۔ روس ایک عالمی قوت بن چکا ہے اور دوسرے نوآبادیاتی ممالک کے خلاف ان کی سرحدیں روس سے ملی ہوئی ہیں، روس کی کثیر فوج انکے ممالک میں موجود ہے جسے وہ کسی خطرہ کے وقت استعمال کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ انھیں یہ بھی معلوم ہے، اُن کی جمہوریتوں کو روسی وفاق سے الگ ہونے کی اجازت محض کاغذی ہے اور ان ممالک کے کلیدی عہدوں پر روسیوں کے قبضے کی وجہ سے روس کے خلاف کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی لہذا جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہو آزادی کی تحریک سے کوئی مفید نتیجہ برآمد ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کا اظہار بھی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں مرکزی حکومت نے ٹیلی ویژن، اخبارات، افسانوں کے ذریعہ عوام کو لٹیروں (مسلم علاقے کے اولین حریت پسند جنھیں روسیوں نے لٹیروں کا خطاب دیا تھا) کے خلاف ہوشیار رہنے کی تلقین شروع کی تھی، حالانکہ پچھلے چالیس برسوں سے اس موضوع پر کچھ کہنا یا لکھنا ممنوع تھا۔ اس حالیہ مہم میں اس بات پر زور دیا گیا کہ یہ لٹیرے غیر ملکی سامراجی قوتوں کی شہ پر مُلّا اور صوفیوں کے بھیس میں کام کر رہے ہیں۔ روسی خفیہ پولیس کے اولین سربراہ چیکا (CHEKA) جس نے روسیوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کو زیر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ روس ان طاقتوں کی سرکوبی ایک بار کرچکا ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو دوبارہ انھیں کچلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

مذکورہ بالا سوالات کے سلسلہ میں تیسرا نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وسط ایشیا کے مسلمانوں کی ذہنی تربیت اس طور سے کردی گئی ہے کہ وہ اب اپنے قومی شعور سے بے بہرہ ہو چکے ہیں، لہذا اب ان میں اپنی الگ شخصیت کے اظہار کا جذبہ باقی نہیں رہا ہے۔ اشتراکی حکومت کے تحت ان کی دو نسلیں گزر چکی ہیں، جس کے دوران برابر یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ ان میں اشتراکیت کے علاوہ اور کسی شے سے دلچسپی باقی نہ رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مصطفےٰ کمال کی پیروی کرتے ہوئے روسی حکومت نے ترک زبانوں کے

بے لیٹن رسم الخط نافذ کر دیا۔ ۱۹۲۲ء میں لیٹن رسم الخط بدل کر روسی رسم الخط جاری کر دیا گیا تاکہ ان زبانوں کا کوئی رابطہ ترکی کی موجودہ زبان سے بھی باقی نہ رہے۔ ۱۹۲۸ء میں شرعی عدالتوں کا قیام غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور تمام مذہبی ادارے بند کر دیے گئے۔ ۱۹۳۰ء میں اوقاف ضبط کر لیے گئے، جس کے بعد مدرسے اور دوسرے مذہبی اداروں کا قائم رکھنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے بعد اسلام کی بیخ کنی کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں، زکوٰۃ کی وصولی پر پابندی لگا دی گئی، حج بند کر دیا گیا، اور رمضان میں روزہ رکھنے کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی، مسجدوں کو کلب اور سینما گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اس پالیسی میں قدرے تبدیلی آئی کیونکہ جنگ میں مسلمانوں کی حمایت مقصود تھی لیکن خروشیف (KHRUSHCHEV) کے زمانہ میں پھر اسلامی تعلیمات کی حوصلہ شکنی کا دور شروع ہو گیا۔ بہرحال ۱۹۶۰ء کے بعد روس نے اسلامی دنیا سے اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا کہ اسلام ابھی تک روس میں باقی ہے اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اس پالیسی کے نتیجہ میں اسلام دشمنی میں کچھ کمی واقع ہوئی، لیکن اس وقت بھی روس میں مسجدوں کی کل تعداد چند سو سے زائد نہیں ہے، جب کہ ۱۹۱۷ء میں تیس ہزار مسجدیں موجود تھیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کی کل تعداد ایک کروڑ اسی لاکھ تھی اور اس وقت یہ تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلم ممالک سے روس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کے باوجود ان کے لیے اسلامی شعار اختیار کرنا آسان نہیں ہے۔

سوویت روس نے وسط ایشیا کے مسلم عوام کی زندگی کو اشتراکی نظریات کے ڈھانچہ میں ڈھالنے کے ساتھ ان میں اخوت اسلامی اور ترکی قومیت کے جذبات کو کچلنے کے لیے بھی اقدامات کیے ہیں۔ اس کے لیے دو طریقے استعمال کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں ایسے جدیدیت پسند لوگوں کی خدمات حاصل کی گئیں جو زار کی روسی حکومت سے نالاں تھے لیکن عوام کو ترقی کے نام پر جدید نظریات اور افکار قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اس میں انھیں دریائے والگا کے ساحل پر واقع قازان کے علاقہ میں خصوصیت سے کامیابی ہوئی۔ یہ ترقی پسند قومی آزادی کے نام پر اشتراکیت سے تعاون کرنے پر راضی ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد روسیوں نے ان ترقی پسند قائدین کو مختلف الزامات میں رفتہ رفتہ راستہ سے ہٹانا شروع کیا اور ترک

قومیت کے بجائے علاقائی نسلی اور لسانی تفریق کو ہوا دینا شروع کر دیا۔ دریائے والگا کے کنارے رہنے والے تاتاریوں اور ان کے قریبی علاقہ میں رہنے والے بشکیریوں (BASHKIRS) میں قریبی تعلقات ہی نہیں بلکہ ازدواجی تعلقات بھی تھے مگر ان دونوں کو الگ الگ صوبائی جمہوریہ کا درجہ دے دیا گیا جس وقت بشکیر جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا، اس وقت ان کے علاقہ میں ان کی آبادی ۲۶ فیصد سے زائد نہیں تھی اور بیشتر سرکاری عہدوں پر تاتاری اور روسی فائز تھے۔ بشکیر زبان کا کوئی الگ رسم الخط بھی نہیں تھا بلکہ اسے تاتاری ترکوں کی زبان کی ایک مقامی بولی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز ان میں تفریق پیدا کرنے میں مانع نہیں سمجھی گئی۔

جنوب میں آذربائیجان اور وسط ایشیا کے مسلمانوں کو بھی مختلف صوبائی جمہوریتوں کے ذریعہ تقسیم کر دیا گیا۔ وسط ایشیا کے صحرائی علاقہ کو قزاقستان اور اس سے ملحق پہاڑی علاقہ کو خرگیز کا نام دے کر دو جمہوریتیں بنا دی گئیں حالانکہ خرگیز اور قزاقستان کی زبان ایک ہی ہے۔ ۱۹۲۲ء میں خرگیز کی مقامی بولی کو ایک الگ زبان تسلیم کر لیا گیا۔

ترکستان کے علاقہ کو جو بحیرہ کیسپین سے چین تک پھیلا ہوا ہے، چار قومیتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس علاقہ میں تاجک فارسی بولتے تھے لیکن دوسرے تین علاقوں یعنی ترکمانیہ، ازبک اور کرپالک میں ترکی زبان بولی جاتی تھی، جن کی مقامی بولیوں میں معمولی اختلافات تھے۔ ۱۹۳۰ء میں کرپالک کے باشندوں کی زبان کو ترکی سے الگ تسلیم کر لیا گیا، حالانکہ ۱۹۳۹ء میں رائے شماری کے موقع پر صرف ۳۹ فیصد لوگوں نے اسے اپنی زبان بتلایا۔ اولاً ان سبھی زبانوں کے لیے لیٹن رسم الخط رائج کیا گیا لیکن بعد میں اسے بدل کر روسی رسم الخط نافذ کر دیا گیا۔

ترکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ نے اس علاقہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹنے کی مخالفت کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان سبھی لوگوں کی زبان چغتائی ترکی ہے جن کی مقامی بولیوں میں کوئی قابلِ ذکر فرق نہیں ہے، لیکن روسیوں نے اسے ترکستان کی یک جہتی کی تحریک سمجھ کر ان کے خلاف سخت کارروائی کی اور بالآخر زبانوں کی یہ مصنوعی تقسیم اس علاقہ کے عوام کو ایک دوسرے سے الگ کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی۔ بنگسن نے ۱۹۶۸ء میں اس پالیسی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کے نتیجہ میں قومی اور نسلی یک جہتی کا تصور کمزور ہوتا گیا، اور پچھلے پانچ برسوں میں اس کی جگہ مذہبی یگانگت کا تصور ابھر رہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اب ان علاقوں میں

بسنے والے لوگ اپنے آپ کو ازبک، ترکمان، تاتار وغیرہ سمجھنے لگے ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کے ایک اور پہلو کا ذکر کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ سوویت روس کے مسلمان اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہیں کیونکہ روسی سامراج یورپین سامراجی نظام سے مختلف ثابت ہوا ہے، اور اس نے اپنے محکوم اقوام کی مادی اور ثقافتی ترقی کے لیے قابل قدر اقدام کیے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں اقوام متحدہ کے اقتصادی کمیشن نے وسط ایشیا میں روسی پالیسی کے اثرات پر جو رپورٹ شائع کی تھی اس میں اگر ایک طرف اس علاقہ کی خوشحالی کی تردید کی گئی تھی تو دوسری طرف اس کا اعتراف بھی کیا گیا تھا کہ اس علاقہ کے لوگوں کا معیار زندگی ان سے ملحق دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہتر ہوا ہے۔ ایک برطانوی مبصر کرنل جیوفری وہیلر (COL. GEOFFERY WHEELER) کا کہنا ہے کہ "اس بات پر سب متفق ہیں کہ وسط ایشیا کی اقتصادیات میں عظیم تبدیلی آئی ہے اور سوویت روس کے مسلمانوں کو اس بات کی شکایت کا بہت کم موقع دیا گیا ہے کہ ان کی حالت بہتر بنانے کے لیے حکومت نے اقدامات نہیں کیے ہیں۔ ان علاقوں میں خواندگی کی شرح ۹۰ فی صد ہو چکی ہے جب کہ ۱۹۱۷ء میں یہ شرح صرف ۴ فیصد تھی اور اس وقت تک ترکی میں بھی صرف ۴۵ فیصد لوگ خواندہ ہو سکے ہیں۔

سوویت روس کے مسلم علاقوں کی اقتصادی ترقی میں اشیاء کی دستیابی اور روس کے دوسرے علاقوں سے اس کے رہن سہن میں فرق کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ وسط ایشیا میں اگر فی کس آمدنی دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں کم ہے تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں خاندان عام طور پر بڑے ہوتے ہیں، شہروں کی آبادی میں تیز رفتاری سے ترقی نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری اور مکانوں کی قلت کے مسائل نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ دراصل وسط ایشیا کے مسلمان دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں میں آباد ہونا پسند نہیں کرتے جس کی وجہ سے روس کے صنعتی علاقوں میں جہاں زیادہ لوگوں کی ضرورت ہے ان کو منتقل کرنا ایک مسئلہ بن گیا ہے۔

مقامی زبانوں اور ثقافتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں روسی حکومت کا رویہ یہ رہا ہے کہ مقامی جمہوریتوں کی سرکاری ملازمتوں میں اکثریت مقامی باشندوں پر مشتمل ہوتی ہے حالانکہ پارٹی کے کارکنوں اور اعلیٰ عہدوں پر روسی رکھے جاتے ہیں جو مقامی کارکنوں کی علاقائیت کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی سوویت پالیسی پر کسی قسم کی نکتہ چینی برداشت نہیں کی جاتی۔

اب تک جو جائزہ پیش کیا گیا ہے، کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ روس کے مسلمان اب روسی نظام میں جذب ہو چکے ہیں؟ — دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں کریمیا کے تاتاری مسلمانوں نے روسی نظام کی سخت مخالفت کی تھی، لیکن اسٹالن نے ۱۹۴۴ء میں انھیں وسط ایشیا، یورال اور سائبیریا میں منتقل کر دیا، جہاں سے اب تک وہ اپنے وطن واپس آنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ اسی طرح وا لگا کے کنارے بسے ہوئے تاتاری اور بشکیر یائی چاروں جانب سے روسیوں سے گھرے ہوئے ہیں اور قزاقستان کے باشندے خود اپنی مملکت میں اقلیت بن چکے ہیں لہٰذا ان کے لیے اب آزادی کا تصور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے بالمقابل جنوبی علاقوں مثلاً تاجکستان، ازبکستان، ترکمانیہ اور آذربائیجان کے مسلمان اور آرمینیا اور گارجیا کے عیسائی ابھی تک اپنے آپ کو روسیوں سے مختلف سمجھتے ہیں، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ علاقے ہمیشہ روس کے زیرنگیں رہیں گے۔ آبادی میں اضافہ کے تناسب سے بھی اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔ مسلمانوں میں اضافہ آبادی کا تناسب یورپین علاقوں کے مقابلہ میں تقریباً دُگنا ہے اور خود روسیوں میں اضافہ آبادی کی شرح تقریباً برائے نام رہ گئی ہے، لہٰذا روس کو اپنی صنعتی ترقی اور فوجی قوت کو برقرار رکھنے کے لیے انہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اس کے اشارے بھی ملے ہیں کہ مسلم آبادی والے علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے ساتھ روسیوں کے لیے ملازمتوں اور ترقی کی راہیں مسدود ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں بسنے والے روسی اب واپس جانے لگے ہیں۔

نسلی اور علاقائی تفریق کی ہمت افزائی کا نتیجہ چند مہینوں قبل آذربائیجانی اور دوسری قومیتوں کے باشندوں کے درمیان فساد کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ یہ فسادات اس قدر شدید تھے کہ روسی حکومت کو انھیں دبانے کے لیے فوج کا استعمال کرنا پڑا۔ یہ خبر بھی آئی ہے کہ فسادات کے دوران آذربائیجانی لوگوں نے اسلامی پرچم استعمال کیا اور روسی حکومت کے خلاف نعرے لگائے۔ ایک دوسری خبر کے مطابق ایشیائی علاقوں میں روسی سرکاری کارکن اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں اور روسی علاقوں میں ان کی واپسی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

اسلام سے روسی مسلمانوں کی وابستگی پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اشتراکی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی تعلیمات پر عمل کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں اس کے نتیجے میں یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اسلام سے اپنی وابستگی کا کھلم کھلا اظہار کر سکیں، لیکن روسی حالات کے مبصر

اس پر متفق ہیں کہ مسلمان اب بھی ختنہ، نکاح اور تدفین میں اسلامی رسوم کی پابندی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ خبریں موصول ہوجاتی ہیں کہ مشترکہ فارموں کے منیجر عیدالاضحیٰ کے موقع پر سرکاری ملکیت کی بھیڑیں مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب روسی فوجوں میں شامل کچھ مسلم فوجیوں کی لاشیں قزاقستان کے صدر مقام الماعطا (Alma ata) کو واپس لائی گئیں تو روسیوں نے انھیں فوجی اعزاز کے ساتھ روسی قبرستان میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ایک ہنگامہ برپا ہوگیا کیونکہ مقامی لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ فوجی مسلمان تھے لہذا انھیں مسلمانوں کی طرح انھیں کی قبرستان میں دفن کیا جانا چاہیے۔ بالآخر روسیوں کو مقامی آبادی کے مطالبہ کو ماننا پڑا۔ روسی حکومت کی اسلام دشمن کارروائیوں سے بھی لوگوں کی اسلام دوستی پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ روس نے ۱۹۸۳ء میں انچاس[۴۹] اسلام مخالف کتابیں شائع کیں جب کہ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد علی الترتیب ۲۱ اور ۲۸ تھی۔ جولائی ۱۹۸۲ء تاشقند میں ایک خفیہ پریس کا پتہ چلایا گیا جس میں اسلامی لٹریچر کی طباعت کی جارہی تھی۔ ازبکستان کے شہر نما گاؤں میں جون ۱۹۸۴ء میں اسلامی مطبوعات شائع کرنے والے ایک ایسے زیر زمین ادارہ کا انکشاف ہوا جس کی شاخیں تاشقند تک پھیلی ہوئی تھیں۔ روسی اخبارات میں شائع خبروں میں بتلایا گیا تھا کہ اس ادارے نے مقامی زبانوں کے علاوہ عربی میں بھی کتابیں چھاپ کر فروخت کی تھیں جن کی تعداد کم از کم ۲۰۰۰ تھی۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عربی زبان اور رسم الخط کی بیخ کنی کے باوجود اس کی تعلیم خفیہ طور پر گھروں میں دی جاتی ہے، مارچ ۱۹۸۵ء میں اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے تیار کردہ کیسٹ ضبط کرنے کی خبر روسی اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔

اسلامی طرز زندگی پر روسی مسلمانوں کے اب تک قائم رہنے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ ان کے خاندان متحد ہوتے ہیں جن کے بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے۔ زیادہ بچوں کو وہ معیوب ہونے کے بجائے مستحسن سمجھتے ہیں۔ شہروں میں رہنے والے روسی مسلمانوں نے مغربی لباس اور روسی زبان کو قبول کیا ہے لیکن وہ گھروں میں اپنی مادری زبان ہی استعمال کرتے ہیں اور روسیوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا پسند نہیں کرتے۔ روسی حکومت نے مسلم علاقوں میں مذہبی معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کئی بورڈ قائم کردیے ہیں جن کا کام حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کرنا اور غیر ملکی مہمانوں کو یہ یقین دلانا ہے کہ روسی مسلمان اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں آزاد ہیں لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان مذہبی اداروں کے سربراہ

کلیتاً روسی حکومت کے آلہ کار کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ روسی حکومت سے مسلمانوں کی وفاداری کے عوض کچھ نہ کچھ سہولتیں بھی حاصل کرلیں، چنانچہ ان کی کوششوں سے کئی کئی مسجدیں واگذار کی گئی ہیں۔ سرکاری مذہبی اداروں کے اکثر کارکن عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے جامعہ ازہر، مراکش، لیبیا یا دمشق میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ان علماء نے مزاروں پر حاضری دینے، زکوٰۃ جمع کرنے اور اس قسم کے کچھ دوسرے مذہبی اعمال کے خلاف فتاوی جاری کیے ہیں لیکن حکومت کے دباؤ کے باوجود انھوں نے ابھی تک سلوک و تصوف کے خلاف کوئی بیان دینے سے احتراز کیا ہے۔ یہ علماء اشتراکیت کے خلاف بات کہنے سے احتراز کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اشتراکیت اسلامی تعلیمات کا ہی ثمرہ ہے۔ روسی حکومت کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر جریدہ "مسلمان اور مشرقی سوویت" میں کوہ قاف کے مذہبی بورڈ کے صدر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ "سوویت سائنس نے انسانی علم کی ترقی میں اہم مقام حاصل کر لیا ہے اور انسانی آزادی، مساوات، اخوت اور مختلف اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا ہے۔ یہ سب قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوا ہے۔" الحاد کے مبلغین اکثر یہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ مذہبی علماء روسی اقلیتوں کے درمیان خصوصاً شمالی کوہ قاف، وسطی ایشیا اور قزاقستان کے عوام کو اسلام کے نام پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

علماء کا ایک اجتماع شمالی کوہ قاف میں ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا تھا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اشتراکیت کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اس اجتماع میں علماء نے اس نظریہ کے جواز میں قرآن کریم کی آیتوں کا حوالہ پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے، اور اشتراکیت کے اصول قرآن اور حدیث سے اخذ کیے گئے ہیں۔ الحاد روس کی سرکاری پالیسی کا ایک اہم جزو ہے، روس کے علماء اسے شرک یا کفر کہنے کے بجائے "جاہلیت" سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ یہ اسلام کے آنے سے قبل کا نظریہ ہے اور وقت کے ساتھ یہ دور گزر جائے گا۔

اسی طرح روس کی مسلم جمہوریتوں کے سیاسی قائدین اپنے آپ کو روسی کمیونسٹ پارٹی کا نمائندہ ظاہر کرنے کے بجائے عوام کا نمائندہ کہلانا پسند کرتے ہیں۔ (پارٹی کی نمائندگی کی ذمہ داری عام طور پر ان کمیونسٹ لیڈروں اور افسروں کے سپرد کر دی جاتی ہے جو پارٹی یا حکومت میں کسی اہم منصب

پر فائز ہوتے ہیں)۔

مقامی لیڈر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا کام روسی حکومت سے اپنے عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات اور اختیارات حاصل کرنا ہے۔ اس طرح مذہبی اور سیاسی رہنما مختلف نظریات رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو عوام سے قریب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ حکومت کے استبداد کا مقابلہ کرنے کے لیے انھیں سویت سماج کی پیدا کردہ سیاسی تنظیم سے ہی فائدہ اٹھانا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی قومی اور اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لیے انہی تنظیموں سے کام لے رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے چند برسوں میں انھوں نے اپنی قومی جمہوریتوں اور مرکزی حکومت میں اپنے جائز مقام کو حاصل کرنے کے لیے خاصی جدوجہد کی ہے۔ آذربائیجانی کامریڈ گیدار علیو (GAYDAR ALIEV) نے روس کے وزیر داخلہ کا عہدہ حاصل کر کے روسی حکومت کی طاقت ور پولیس اور خفیہ محکمہ کے۔ بی۔ جی (K.B.G) کے سربراہ کی حیثیت سے روسیوں کے لیے ایک تشویشناک مثال قائم کر دی ہے۔

روسی مسلمانوں میں ابھی تک اپنے آپ کو روسیوں سے مختلف اور خود کو ترک کے ساتھ مسلمان سمجھنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا ہے۔ ان میں روز بروز یہ خیال مستحکم تر ہوتا جا رہا ہے کہ وہ نسلی اور تہذیبی اعتبار سے روسیوں سے مختلف ہیں اور ان کے مفادات بھی مختلف ہیں۔ اس لیے یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ روس ان ایشیائی اقوام کو اپنی ثقافت میں جذب کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے برعکس روسیوں اور غیر روسی محکوم اقوام خصوصاً ایشیائی باشندوں کی آبادی کا تناسب بڑھنے کے ساتھ روس مخالف جذبات میں ترقی کی امید کی جا سکتی ہے۔

پیلو کی بازیافت
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرّب اجزاء پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کر کے ہمدرد نے
حفظِ دندان کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کر لی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرّب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف
مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
آوازِ اخلاق
پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو
arts-HTP-3/85

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ

رمضان المبارک

عبادات کا موسم

بہار کا موسم آتے ہی دہر میں رُوح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، سوئی ہوئی اُمنگیں جاگ اُٹھتی ہیں اور چُستی اور توانائی کا دَور دَورہ شروع ہو جاتا ہے۔ جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا پورا دور گذر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے اور طبیبوں کا بیان ہے مادۂ فاسد وضع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح روح و جسم کی کائنات میں چاند کا ایک دور گذر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے۔

رحمتِ کاملہ و محبوبیتِ مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں، اپنے سرمستوں کے لیے ایک خاص مہینہ "ماسوا" سے بے نیاز و بے تعلق رہنے کا مقرر کر دیا جس کو اصطلاح میں "رمضان" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو! اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو! اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آؤ! اپنے طریقِ عشق و آئینِ اُلفت میں ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو اور اپنی تمام نفسیاتی لذتوں کو ایک بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو کہ یہی نفسیاتی لذتیں اس شاہدِ حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔

اس حکم سے مقصود تم کو تکلیف میں ڈالنا نہیں، تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں بلکہ مقصود خود تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے، تمہارے ہی کمالات کی نشو و نما اور تمہاری ہی ترقی ہے، تم ہی میں ضبطِ نفس پیدا کرنا تم ہی کو خود خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے، تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو اُبھارنا اور تمہیں حیوانات کے غار سے نکال نکال کر ملوکیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے اُس کو توڑنا منظور ہے، تمہاری راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنا ہے اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے اور پھر یہ آزمائش دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لیے نہیں، کسی بڑی لمبی مدت کے لیے نہیں بلکہ گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینے کے بعد رمضان کا ایک مہینہ آتا ہے۔ یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں کہ اس میں انسان صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس خیر و برکت والے مہینے کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اس ماہ میں اوّل اوّل دنیا کیلئے بہترین، کامل ترین و جامع ترین ہدایت نامہ

اتارا گیا اور اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار نغمۂ ازل کی سُریلی آواز بیہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی جس سے بڑھ کر کوئی دولت، جس سے اُونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت عالم تصور میں بھی موجود نہیں ۔

قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا تو کس طرح اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ؟ حسنِ ازل کے شیدائی بھی نامۂ یار کے ورود کے زمانے کو کیونکر بھول سکتے ہیں، جب یہ زمانہ آجائے گا اس کی یاد میں بے تاب ہو جائیں گے اور پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک بھول جائیں گے موسم بہار کی فرحتیں، طراوتیں اور نشاط انگیزیاں بڑے افسردہ دلوں تک میں اُمنگ پیدا کر دیتی ہیں۔ ماہ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر شکر بڑے سے بڑے بدہمت اور افسردہ لوگوں کو بھی جوش پیدا ہو جاتا ہے ۔

یہ بہار کا موسم جب کسی کے شوق وارمان میں گذرے، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بھوک پیاس میں صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹیں گی تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی اور نفس میں پاکیزگی پیدا نہ ہو، اس حالت میں قدرتی بات ہے کہ سوزِ دل اور تیز ہو جائے، قرب ووصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ ومجاہدہ کے اثر سے زنگ دور ہو کر کسی کا عکس قبول کرنے کے لیے آئینۂ قلب بے قرار ومضطرب ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی ذوقِ طلب، ذوقِ انتظار، سوال اور اجابتِ دعا کی حاجت مند اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی وبندہ پروری کے درمیان ناز ونیاز کی ہوتی ہے، اس منزل پر پہنچتے ہی غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے کہ :

"اے ہمارے پیغام پہنچانے والے ! ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں تو اُن کو بتا دو کہ ہم اُن سے کچھ دُور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم پر بھروسہ رکھیں ! اس سے وہ سیدھی راہ پا کر منزلِ مقصود تک پہنچکر رہیں گے"۔

نماز میں عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاقِ الٰہی کے ساتھ کسی درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر وضبط، قوت واحتیاط، حلم وتحمل، عفو ودرگذر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں یا مولیٰ کی ؟ عبد کی یا معبود کی ؟ خاک کے پُتلے کی ہیں یا آسمان کے فرمانروا کی ؟ پھر یہ کیونکر ہے کہ جو شئے، کچھ ہی دیر کے لیے سہی، اس کی کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شئے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شئے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اسے نورانیتِ کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمتِ عظمیٰ کی جانب لپکنے سے تامل کر رہے ہیں !

حدیثِ قدسی کے الفاظ یاد کیجئے :۔

" روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں خود ہوں، حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں "۔

یہ کون کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے۔ کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جاسکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پرواہی کی نذر کر دیا جائے۔

یقین کیجئے کہ اگر آپ نے اس حکم کی تعمیل کی تو آپ کے مرتبہ پر زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اڑنے والے فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریم عرش کے پائے تھامنے والے رشک کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاءاللہ یہ حقیقت ہو کے رہے گی۔

روزہ جسم و روح دونوں کے ایک خاص ضبط وانضباط، تزکیہ و تنقیہ اور پرہیز و احتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لطف و راحت، لذت و فرحت محسوس ہونی چاہیئے۔

اگر آپ ایسا محسوس نہیں کرتے ہیں تو یقیناً آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی شرطیں آپ توڑ چکے ہیں اور اس کے جو آداب نگاہ میں رکھنے تھے وہ آپ نے نہیں رکھے۔

اگر آپ وہی کرتے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہیئے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی دوپہر، آپ کی سہ پہر، آپ کی شام، غرض آپ کے وقت کی ہر گھڑی آپ کے دل کی قلعی کھلائے رکھے گی، افسردگی اور اداسی کے لیے بے مفہوم ہوگی اور سرور و نشاط کی ہوائیں آپ کی روح کو تر و تازہ رکھیں گی۔

روزہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارا دن آپ اپنے تئیں اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور دماغ، اپنے ہاتھ اور پیر اور اپنے جسم و جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر ٹیڑھی راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج روی سے باز رکھیں گے جو اس کا فطری حق اور اس کی سچی غایت ہے، زبان اگر کھلے گی تو صرف کلمۂ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف سچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امرِ حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔

مادی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر سورج کے ڈوب جانے پر جب آپ اس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو دنیا کے کس لفظ میں اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے، رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہونگے۔

راحت ولذت، لطف ومسرت، سرور ونشاط، انبساط، یہ سارے الفاظ اس بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لیے کافی ہیں جو ان سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے جس سے موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) جیسے پیغمبر باوجود شوق وتمنا کے اس دنیا میں محروم رہے۔

آپ کہتے ہیں کہ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں، ماہِ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ کر آتا ہے۔ دوسروں کی عیب چینی میں اب بھی آپ کو ویسا ہی مزا آتا ہے۔ نفسانی خواہشوں، لڑنے اور جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ دن میں بے شبہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے سونے اور بیکاری میں گذارتے ہیں یا پھر سحری طعام اور افطار پارٹیوں کے اہتمام وانتظام میں وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ سال میں گیارہ مہینے بالکل نامانوس رہتا ہے، آپ اسی ماہ صبر و تقویٰ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور وقت اور روپیوں کا اچھا خاصا اس ماہ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے ہیں۔ کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپ کے خیال میں ماہِ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے مگر اس میں کچھ مکھیاں پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحتِ دماغی کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اس میں تھوڑی سی غلاظت بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل وفہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کرسکتے ہیں؟ یقین فرمایئے، کہ اس سے کہیں زائد موجب تاسف، مستحق ماتم اس بدنصیب کی حالت ہے۔ جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کرکے، عیب چینی میں مصروف رہ کے، نفسانی خواہشوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے، اور جو حرمان نصیب سرے سے روزہ کو ترک کیے ہوئے ہیں ان بے چاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق بخشے۔ آمین

ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے
قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے
اس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک
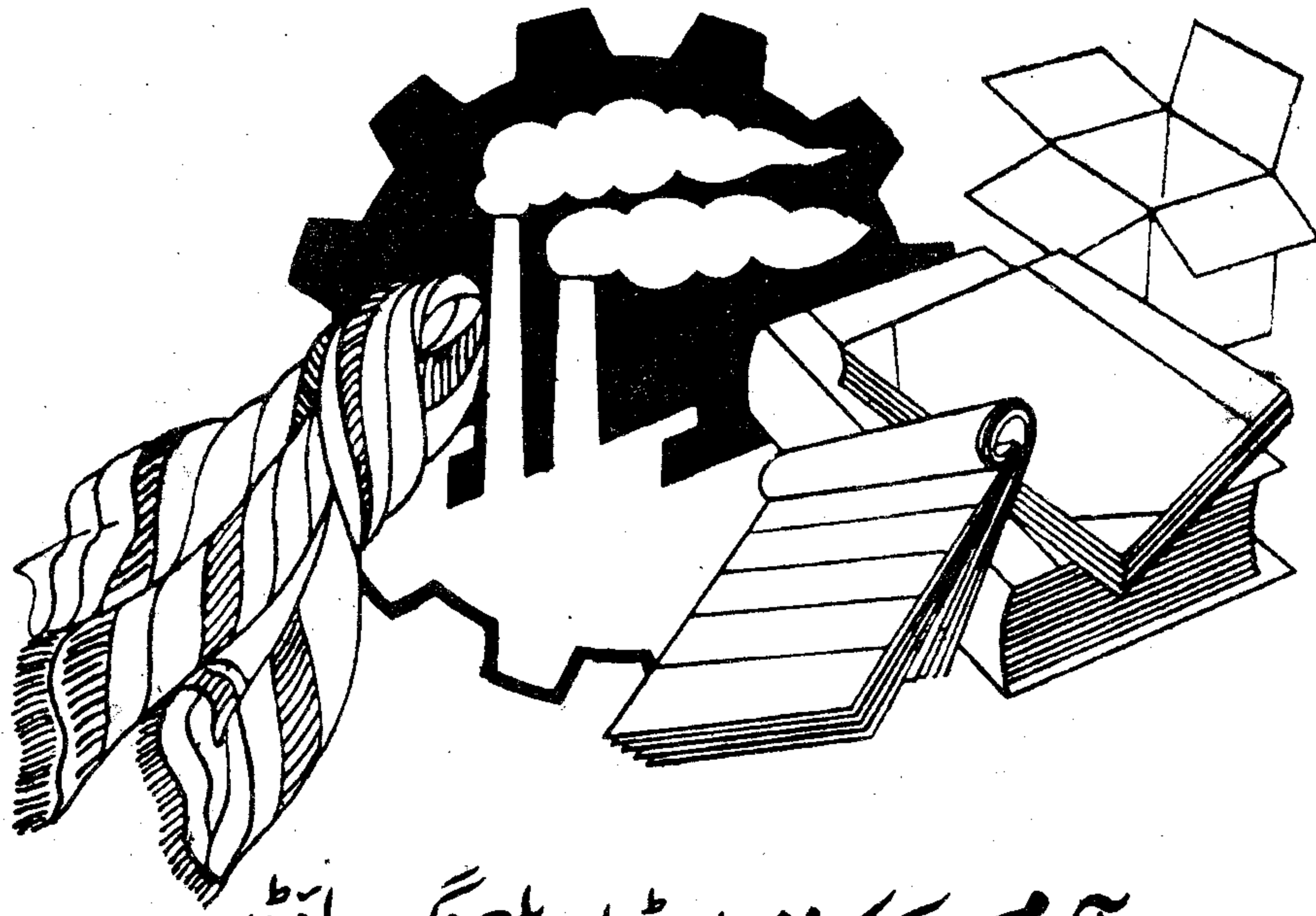
آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر

adamjee

آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ
آدمجی ہاؤس۔ پی۔ او بکس ۴۳۳۲۔ آئی۔ آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۲

NATIONAL 45 H

مولانا شہاب الدین صاحب ندوی

سائنس اور اسلام

علوم طبیعی کی اہمیت قرآن کی نظر میں

موجودہ دور میں قرآن عظیم جیسی بے مثال رہنما کتاب کے موجود ہوتے ہوئے خود اس کے علمبردار ہی اس کتاب عظیم اور عالم انسانی کے درمیان ایک حجاب بنے ہوئے ہیں۔ اور محض چند موہوم اندیشوں کی وجہ سے اس کے اسباق و بصائر کی نشر و اشاعت منشائے خداوندی کے تحت کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اگر وہ منشائے الٰہی کی رو سے جدید علوم کی روشنی میں قرآن حکیم کے اسباق و بصائر کو پیش کریں اور سائنٹیفک نقطۂ نظر سے اس کتاب حکمت کی تفسیر کریں۔ تو فکر و نظر کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور علم صحیح کی پیاسی اور متلاشی دنیا اس کے سرچشمہ سے بخوبی سیراب ہو سکتی ہے چنانچہ قرآن حکیم خود اپنے بارے میں پورے شد و مد کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ سارے جہان اور تمام اقوام عالم کے لئے تذکرہ و تبصرہ اور تنبیہ و انتباہ کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (قلم ۵۲)	یہ قرآن سارے جہان کے لئے ایک تذکرہ ہے (یعنی کسی بھولی بسری حقیقت کو یاد دلانے یا چونکانے والا)۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (انعام ۹۰)	یہ تو سارے جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔
تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ	بڑا ہی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق اور باطل میں فرق و امتیاز کرنے

نذیر اور

(فرقان ۱)

والی کتاب) نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کر سکے۔

وَ اُوحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَ مَنْ بَلَغَ

(انعام ۹)

(اے محمد کہہ دو کہ) یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے تاکہ میں اس (میں موجود شدہ مضامین) کے ذریعہ تم کو متنبہ کر سکوں اور ان لوگوں کو بھی جن تک یہ قرآن پہنچے۔

ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَ لِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَ لِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(ابراھیم ۵۲)

یہ قرآن (تمام) لوگوں کے لئے پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعہ انہیں متنبہ کیا جا سکے اور وہ جان لیں کہ (اس کائنات میں) ایک ہی معبود ہے اور سنجیدہ عقل والے (اس کے اسباق و بصائر) پر چونک سکیں۔

لوگوں کے عقل و فہم کے مطابق تبلیغ ضروری

واضح رہے کہ قرآن مجید شرعی امور و مسائل کی بہ نسبت فکری و نظریاتی امور و مسائل سے زیادہ تفصیل سے بحث کرتا ہے تاکہ پہلے انسان کا رویہ اور اس کا عقیدہ درست ہو جائے جس کی وجہ سے وہ پوری رغبت کے ساتھ اپنے خالق و معبود کی اطاعت کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد عظیم فکر و نظر کی درستی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسانوں پر محض کوڑے کے بل بوتے پر حکم چلانا ممکن نہیں ہے جب تک کہ ان کے نفسیاتی احوال و کوائف بدل نہ جائیں اور وہ پوری رضا و رغبت کے ساتھ عمل کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔

لہٰذا دین اسلام کے علمبردار سوچیں کہ اقوام عالم کے اذہان و قلوب کو بدلنے اور قرآن حکیم کے منشا و مقصد کے مطابق ان کی ہدایت و رہنمائی کرنے اور ان کی نجات اخروی کا سامان مہیا کرنے کے سلسلے میں اس کتاب حکمت کو ان کے سامنے کس طرح پیش کر سکتے ہیں جو عصری تقاضوں کے مطابق ان کے نفسیاتی احوال و کوائف کو بدل سکتے ہوں۔ اس مقصد کے لئے ظاہر ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل اور ان کے فہم کے مطابق گفتگو کرنا ضروری ہے ورنہ وہی مثل صادق آئے گی کہ ع

"زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم"

یعنی میرے یار کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا۔ ہر دور میں اس کے علوم وفنون کے پیشِ نظر اس دور کے لوگوں کا ایک عقلی مزاج ہوتا ہے۔ جسے دعوتِ دین میں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جیسا کہ خود قرآن حکیم کی تعلیم ہے :۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

(لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔ اور ان سے بہترین طریقے سے مباحثہ کرو (نحل ۱۲۵)

اس ربانی اصول کی شرح بعض روایات میں اس طرح آئی ہے۔

حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے :۔

اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ

ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں [1]

ایک اور روایت حضرت علیؓ سے (موقوفاً) اس طرح منقول ہے :۔

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه

لوگوں سے ان کے جانے بوجھے مسائل کے ذریعہ گفتگو کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیا جائے [2]

ظاہر ہے کہ لوگوں کے جانے بوجھے امور و مسائل میں لوگوں کے متعارفہ علوم اور ان کے ذہنی و نفسیاتی احوال وکوائف وغیرہ سب کچھ آسکتے ہیں۔ اس لحاظ سے دین اسلام کے علمبرداروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو اقوام عالم سے روشناس کرائیں۔ اور دین کی صحیح معنی میں تبلیغ کرنے کے لئے اقوام عالم کی زبانیں، ان کے علوم و مسائل اور ان کے ذہنی و نفسیاتی احوال وکوائف وغیرہ تمام چیزوں سے بھرپور واقفیت حاصل کریں۔ پھر ان کی سمجھ کے مطابق اسلام کو پیش کریں جو ایک حکیمانہ طریقہ ہے۔ ورنہ جو زبان اور جو اسلوب ان کے لئے اجنبی ہو وہ ان کے اذہان سے نامانوس ہونے کی بنا پر ان کے ذہن و دماغ کو متاثر نہیں کر سکتے اور ان پر اتمام حجت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے کہ اس نے اپنے کلام ابدی میں پوری نوع انسانی

---

[1] کنز العمال ۱۰/۱۴۳، مطبوعہ حیدرآباد [2] ایضاً ۱۰/۱۴۶

کے لئے "آیات بیّنات" یعنی کھلے کھلے دلائل رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ گمراہی کی تہ بہ تہ تاریکیوں سے باہر نکل سکے۔ اور ان کھلے کھلے دلائل و براہین کا انکار فاسق و فاجر لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ جو محض اپنے گھمنڈ اور تکبر کی وجہ سے راہِ ہدایت اختیار کرنا ہی نہ چاہتے ہوں اور اس کتاب حکمت میں کھلے کھلے دلائل رکھ دینے کا مقصد وہ یہ بتاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ چونکہ اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان اور رحمدل ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ اس کی مخلوق خواہ مخواہ اور بلا وجہ گمراہ ہو جائے۔ جیسا کہ وہ پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ (حدید ۹)	وہی ہے (تمہارا رب) جو اپنے بندے (محمدؐ) پر کھلے کھلے دلائل اتار رہا ہے۔ تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اور اللہ واقعی تم پر بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔
وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ۔ (بقرہ ۹۹)	(اے محمدؐ) ہم نے تیرے پاس روشن دلائل بھیج دیئے ہیں جن کا انکار صرف بدکردار لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ آیات بینات یا کھلے کھلے کیا دلائل ہیں جو نوعِ انسانی کے لئے اتمام حجت بن سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی سمجھ کے مطابق ان کی وضاحت کرنا دین کے علمبرداروں کا کام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک یہ دلائل نوعِ انسانی پر واضح نہ ہوں ان پر اعراض یا بدعملی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ اگر علمبردارانِ دین اپنے اس فریضے کی ادائیگی میں ناکام ہو جائیں تو پھر الزام بجائے اقوامِ عالم پر عائد ہونے کے خود حاملین دین پر عائد ہو جائے گا۔ اور وہ قابلِ مواخذہ ہوں گے یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا۔

الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن تیرے لئے حجت ہے یا تجھ پر حجت ہے [1]

---

[1] صحیح مسلم ۱/۲۰۳، مطبوعہ ریاض

مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جب تک قرآن پر عامل رہے گا۔ وہ اس کے لئے دلیل بنا رہے گا۔ لیکن جب وہ اسے چھوڑ دے گا یا اس کے خلاف عمل کرنے لگ جائے گا تو وہ اس پر حجت بن جائے گا۔ تو کیا حامیانِ اسلام آج اپنے اس فریضے کو پوری طرح ادا کر چکے ہیں یا ادا کرنے کے موڈ میں ہیں؟

خلاصہ بحث یہ کہ موجودہ دور کے مزاج کے مطابق قرآن حکیم کی صحیح معنی میں تبلیغ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جدید علوم و فنون سے واقفیت حاصل کی جائے۔ کیونکہ یہی وہ علوم ہیں جو آج ہمارے اور اقوام عالم کے درمیان "علوم متعارفہ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ علوم آج نوع انسانی کے ذہنوں پر پوری طرح چھائے ہوئے ہیں اور وہ ان سے اس قدر مرعوب و متاثر ہیں کہ جب تک ان علوم کے ذریعہ ان پر حجت قائم نہ کی جائے۔ وہ کسی بھی بات کو سنجیدگی کے ساتھ سننے اور اس سے متاثر ہونے کے لئے آمادہ نظر نہیں آتے۔

علم مناظرہ کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ فریقین کے درمیان گفتگو کے لئے چند اولین امور کو متعین کر لینا چاہئے جن کی حیثیت متفقہ یا تسلیم شدہ اصولوں کی سی ہو جن کو "اصول موضوعہ" کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے آج جدید سائنسی علوم ہمارے اور اقوام عالم کے درمیان "اصول موضوعہ" کی حیثیت رکھتے ہیں جن کو بنیاد بنا کر ہم دین الٰہی کی برتری ثابت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ان علوم و مسائل سے کنارہ کشی آج ہمارے لئے ہر اعتبار سے باعث نقصان ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (بقرہ ۲۶۹)	اللہ جسے چاہتا ہے سمجھ دیتا ہے جسے سمجھ دی گئی اسے بہت بڑی خوبی مل گئی۔ نصیحت کی بات صرف وہی لوگ قبول کر سکتے ہیں جو پختہ عقل رکھنے والے ہوں۔

جدید علوم سے اعراض باعث نقصان اس لحاظ سے موجودہ دور میں کرنے کا کام یہ ہے کہ دین الٰہی کے پیرو جدید سے جدید تر تمام علوم و فنون کا جائزہ لے کر خدائی دلائل و براہین (آیات اللہ) کو چھانٹ کر نکالیں۔ جو موجودہ انسان پر مؤثر طور پر حجت بن سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دلائل و براہین خود انسان کے مدوّن شدہ علوم سے ماخوذ ہونے کی بنا پر ناقابلِ انکار اور ناقابلِ تردید ہوں گے۔ گویا کہ موجودہ انسان خود اپنے ہی علوم سے مغلوب ہو جائے گا۔ اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ بلکہ بہت بڑا واقعہ ہو گا۔ اور اس حیثیت سے جدید علوم و مسائل کی بے انتہا اہمیت ہے۔

بہرحال جدید علوم و مسائل سے مزید اعراض و انکار یا حقائق و واقعات سے گریز و فرار ملت اسلامیہ کے لئے کئی اعتبارات سے باعث نقصان ہوسکتا ہے مثلاً :۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ کہ ہم قرآن حکیم کی تلقین کے مطابق نوع انسانی پر دین برحق کی حقانیت مؤثر طور پر ثابت نہیں کرسکتے ۔

۲۔ اس میدان میں پیچھے رہ کر ہم نہ صرف نوع انسانی کو خدائی دین و شریعت سے روشناس کرانے میں ناکام ہوں گے بلکہ عالم انسانی کو مزید سرکش اور برگشتہ بنانے والے بھی قرار پائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک قابل عتاب چیز ہے ۔

۳۔ جدید علوم و فنون سے دوری کی بنا پر ہم دنیوی اعتبار سے بھی نقصان میں رہیں گے ۔ کیونکہ ان علوم و فنون سے جو معاشی، تمدنی، سیاسی اور فوجی فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ ان میں پیچھے رہ کر ہم ایک پس ماندہ قوم و ملت بن کر رہ جائیں گے ۔ حالانکہ اسلام دنیا میں ایک غالب مذہب کی حیثیت سے وارد ہوا ہے اور اسے فکری و نظریاتی اور فوجی و سیاسی ہر میدان میں ایک غالب دین و مذہب کی حیثیت سے رہنا چاہیئے ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ (توبہ ۳۲، ۳۳)	یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی (نور ہدایت) کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھا دیں ۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کئے بغیر نہیں رہے گا ۔ اگرچہ منکرین حق اس کو ناپسند ہی کریں اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے خواہ وہ مشرکین اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں ۔

۴۔ وہ قومیں جو جدید علوم و فنون میں فائق و برتر ہیں وہ ان اقوام کو خاطر میں نہیں لاتیں جو ان علوم سے عاری اور پس ماندہ ہیں ۔ کیونکہ انہیں اپنے ترقی یافتہ ہونے کا غرور رہتا ہے ۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی اہل اسلام کو ان علوم میں فوقیت و برتری حاصل کرنا ضروری ہے ۔

ان تمام حقائق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمان سوچیں کہ جدید علوم و فنون سے کنارہ کشی اختیار کرکے وہ

کن کن نقصانات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علوم سے چشم پوشی دینی و دنیوی حیثیتوں سے قوموں اور ملتوں کی موت کے برابر ہے۔ لہذا ہمیں آنکھیں کھول کر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

قرآن تمدنی امور میں بھی راہ نمائی کرتا ہے

ان تمام اعتبارات سے ضرورت ہے کہ ہمارے نصابِ تعلیم میں فوری تبدیلی کی جائے۔ اور دینی و اسلامی مدرسوں میں شرعی علوم کے ساتھ ساتھ تکوینی یا سائنسی علوم کو بھی جگہ دی جائے۔ ورنہ ہمارے نونہالوں کا خون ہماری گردن پر ہوگا اور ہم اللہ کے حضور میں جواب دہ ہوں گے۔

قرآن حکیم ہمارے لئے نہ صرف دینی و شرعی اعتبار سے صحیفۂ ہدایت ہے بلکہ وہ فکری و نظری اور تمدنی و اجتماعی مسائل و معاملات میں بھی ہمارے لئے ایک ناقابلِ فراموش ہدایت نامہ ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جن جن امور و مسائل میں تفریق نہیں کر سکتے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں فلاں اور فلاں چیزوں کی ضرورت ہے۔ مگر فلاں اور فلاں چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کی تفریق احکام الٰہی سے روگردانی ہوگی۔ ہمارا علم محدود اور خدائی علم لامحدود ہے۔ لہذا اطاعت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی محدود عقل و دانش اور فکر و بصیرت کو خدائی بصیرت کے تابع کر دے۔ ورنہ وہ خود بینی و خود نمائی کا مرتکب ہوگا۔ شریعت کا بنیادی و اصولی مسئلہ یہ ہے کہ جو بات یا جو حکم "نص صریح" سے ثابت ہو جائے اس میں ایک مسلمان کے لئے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ بلکہ نص سے ثابت شدہ حکم کے مطابق عمل کرنا اس کے لئے واجب ہو جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا۔ (احزاب ۳۶)	کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہ جائے (ہرگز نہیں، تو) جس نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔

علم اشیاء قرآن کا پانچواں ایک حصہ

اس لحاظ سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پورے قرآن پر عمل کریں اور اس کے احکام و مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کے ایک حصے کا (عملاً) انکار

ہے۔ واضح رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تقسیم کے مطابق قرآنی علوم کی پانچ قسمیں ہیں۔ جن میں سے ایک "علم التذکیر بآلاء اللہ" ہے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ احسانات الٰہی کے ذریعہ انسان کو یاد دہانی کرانے یا متنبہ کرنے کا علم۔ چنانچہ اس علم کے تحت قرآن حکیم کی وہ ساری آیات آسکتی ہیں جن میں انسان کے فکر و نظر کی اصلاح کی غرض سے مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں سے تعرض کرتے ہوئے انسان کو صحیح رویہ اختیار کرنے، احسانات الٰہی کو یاد کرنے اور اس کی سرکشی سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے۔ لہٰذا سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے اہل علم کو ہم کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں؟

اس موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی بصیرت کی داد دینی چاہئے۔ کہ انہوں نے مظاہر کائنات سے متعلق تمام آیات قرآنی کو ایک مختصر سے عنوان کے تحت اکٹھا کر کے اپنی قرآن فہمی اور ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔ ہندوستان کے عربی مدارس کے تمام علماء و فضلاء اپنے آپ کو حضرت موصوف اور ان کے علوم کا وارث و جانشین مانتے ہیں۔ تو ان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اس علم کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش نہ کریں۔

بہر حال جب تک ہمارے علماء اس علم کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں ترمیم و اصلاح نہ کریں فکری حیثیت سے دنیا میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آسکتا۔ اور اہل اسلام علمی و دنیوی سیادت کے منصب پر پھر سے فائز نہیں ہو سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج اقوام عالم فکری و نظریاتی اعتبار سے اہل اسلام کی بصیرت و رہنمائی کے منتظر ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اس میدان میں حقیقت پسندی کا ثبوت دے کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔

جدید مسائل میں قرآن سے رجوع ضروری

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ جدید مسائل میں اصولی اعتبار سے سب سے پہلے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور اس کی تائید خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طرز عمل سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس موقع پر آپ نے ان سے بطور امتحان جو کچھ پوچھا وہ اس طرح منقول ہے:۔

---

[1] الفوز الکبیر از شاہ ولی اللہ

كيف تقضي؟ فقال اقضي بما في كتاب الله ۔ قال فان لم يكن في كتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم يكن في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اجتهد رأيي ۔ قال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ سے پوچھا کہ (جب تمہارے سامنے کوئی نیا قضیہ پیش ہو تو) تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا کہ میں اس کا فیصلہ کتاب اللہ سے کروں گا اس پر آپ نے پوچھا کہ اگر تم اس کا حل کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا پھر میں سنت رسول کے ذریعہ اس کا فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ نے پوچھا کہ اگر ان دونوں میں بھی مسئلے کا حل نہ نکل سکے تو؟ کہا کہ پھر میں اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خوش ہو کر) فرمایا۔ الحمد للہ کہ اس نے رسول کے نمائندہ کو صحیح توفیق عنایت کی [1]

صحابہ کرام اور خاص کر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کا عمل اسی پر تھا کہ جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو سب سے پہلے قرآن مجید میں غور کر کے اس کا حل نکالنے کی کوشش کرتے پھر اس کے بعد کسی اور چیز کی طرف توجہ فرماتے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی طبقات میں (ایک عنوان باب) کے تحت تحریر کیا ہے:-

وكانت الائمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم يستشيرون الامناء من اهل العلم في الامور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ مباح چیزوں میں قابل اعتماد اہل علم سے مشورہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ آسان باتوں کو

---

[1] ترمذی کتاب الاحکام ۳/۶۱۶ مطبوعہ بیروت، ابو داؤد کتاب الاقضیہ ۴/۱۸، ۱۹ مطبوعہ حمص (شام) مسند احمد ۵/۲۳۶، مطبوعہ بیروت، دارمی ۱/۶۰ (بیروت)

المباحة ليأخذوا بأسهلها فاذا وضح الكتاب او السنة لم يتعدوه الى غيره اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم

اختیار کر سکیں۔ مگر جب قرآن یا حدیث کسی مسئلے پر (اچھی طرح) روشنی ڈال دیتے تو پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرتے ہوئے کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے[1]

اور مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجر "مباح چیزوں" کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ای اذا لم یکن فیها نص بحکم معین و کانت علی أصل الاباحة - فمراده ما احتمل الفعل والترك احتمالاً واحداً و أما ما عرف وجه الحکم فیه فلا۔

یعنی مباح چیزوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں کوئی نص متعین حکم کے ساتھ موجود نہ ہو بلکہ وہ اصلاً مباح ہو، اور ان کا کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہوں۔ لیکن جن امور میں حکم واضح ہو جائے تو پھر ان میں کرنے یا چھوڑنے کا اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ نص کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے)[2]

پھر اس کے بعد حافظ ابن حجر خلیفۂ اول اور خلیفہ ثانی کے اس سلسلے میں طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے بیہقی کی ایک روایت (جو سند صحیح کے ساتھ مروی ہے) اس طرح نقل کرتے ہیں۔

عن میمون بن مهران قال کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیه امر نظر فی کتاب الله فان وجد فیه ما یقضی به قضی بینهم - وان علمه من سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی به - و ان لم یعلم خرج

میمون مہران سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا طرز عمل یہ تھا کہ جب آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش ہوتا تو وہ اللہ کی کتاب پر نظر ڈالتے اور اس میں اس کا حل مل جاتا تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر سنت رسول سے کوئی بات معلوم ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ پھر اگر ان دونوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ۸/۱۶۲ مطبوعہ استنبول [2] فتح الباری از حافظ ابن حجر ۱۳/۳۴۲ مطبوعہ ریاض

فسائل المسلمین عن السنة فان اعیاه ذلك دعا رؤوس المسلمین و علماءهم و استشارهم ۔ و ان عمر ابن الخطاب کان یفعل ذلك	میں کوئی چیز نہ ملتی تو باہر نکل کر عام مسلمانوں سے سنت رسول کے بارے میں دریافت کرتے ۔ لیکن اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوتی تو پھر سربرآوردہ مسلمانوں اور علماء کو طلب کرتے ان سے مشورہ فرماتے ۔ اور حضرت عمرؓ کا بھی طرزِ عمل اسی طرح تھا[1]

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قاضی شریح کو جو مکتوب تحریر کیا اس میں بطور خاص اس اصول پر زیادہ زور دیا کہ جب قرآن میں کوئی بات مل جائے تو کسی دوسری چیز کی طرف نگاہ بھی نہ ڈالو ۔

عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیه اِن جاءك شیٔ فی کتاب الله فاقض به ولا یلتفتك عنه الرجال	قاضی شریح کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں تحریر فرمایا کہ اگر تمہیں قرآن میں موجود کوئی چیز مل جائے تو تم اسی کے مطابق فیصلہ کرو اور دیکھو کہ لوگ تمہیں اس فیصلے سے ہٹانے نہ پائیں[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے :۔

فاذا سئلتم عن شیٔ فانظروا فی کتاب الله ۔ فان لم تجدوه فی کتاب الله ففی سنة رسول الله فان لم تجدوهُ فی سنة رسول الله فما اجمع علیه المسلمون ۔ فان لم یکن فیما اجتمع علیه المسلمون	جب تم سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے تو قرآن پر نظر ڈالو ۔ اگر تم اسے قرآن میں نہ پاؤ تو مسلمانوں کے اجماع کو دیکھو ۔ اگر اجماع میں بھی وہ چیز نہ ملے تو پھر اپنی رائے کے مطابق (قرآن اور حدیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے) اجتہاد کرو ۔ مگر یہ نہ کہو کہ میں ڈرتا ہوں اور خدشہ محسوس کرتا ہوں کیونکہ شریعت میں حلال

---

[1] فتح الباری ۱۳/۳۴۲ ، نیز دارمی ۱/۵۸ [2] سنن دارمی ۱/۶۰

فاجتهد رأيك ولا تفل الى اخاف و اخشى فان الحلال بيّن و الحرام بيّن و بين ذلك امور مشتبهة فدع ما يريبك الى ما لا يريبك	بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان چند مشتبہ چیزیں ہیں تو تم ان چیزوں کو چھوڑ دو جو مشکوک و مشتبہ ہوں اور ان چیزوں کو لے لو جو مشکوک و مشتبہ نہ ہوں[1]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم اور گنہگار ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے "کتاب الاعتصام" میں ایک باب اس طرح باندھا ہے۔

باب ما جاء في اجتهاد القضاة بما انزل الله تعالى لقوله و من لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظلمون - و مدح النبي صلى الله عليه و سلم صاحب الحكمة حين يقضي بها و يعلمها لا يتكلف من قبله و مشاورة الخلفاء و سؤالهم اهل العلم۔	یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں" کے تحت قاضی صاحبان کے اجتہاد کا بیان۔ اور یہ بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حکیم و دانا شخص کی تعریف و توصیف فرمائی ہے جو خدا کی دی ہوئی حکمت وبصیرت کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ نیز وہ خلفائے وقت سے مشورہ اور اہل علم سے (نامعلوم امور و مسائل میں) رجوع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی تکلف نہیں کرتا۔

پھر اس عنوان کے تحت امام بخاری نے یہ حدیث درج کی ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم۔ لا حسد الا في اثنين	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف دو قسم کے لوگوں سے رشک کیا جا سکتا ہے۔ ایک

---

[1] سنن نسائی کتاب آداب القضاۃ ۸/۲۳۰ (بیروت) دارمی ۱/۶۰،۶۱

رجلٌ أتاه الله مالاً فسلّط على هلكته فى الحق - و آخر أتاه الله حكمةً فهو يقضى بها و يعلمها-

وہ شخص جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہو اور وہ اسے صحیح کاموں میں خرچ کرنے پر مامور کر دیا ہو۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جسے اللہ نے حکمت و دانائی کی کوئی بات دی ہو جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو[1]

امام بخاری کے اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ ایک عالم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ ظالم اور گنہگار ہیں۔

قرآن ہر دور کے لئے فیصلہ کن کتاب

ان واضح احکام و ہدایات کا تقاضا ہے کہ ہمارے ائمہ و مجتہدین نئے مسائل میں فیصلہ کرنے اور امت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی نہ کرنے سے پہلو تہی نہ کریں۔ بلکہ جدید مسائل میں بروقت فیصلہ کر کے ملت اسلامیہ کو مصیبت سے نکالیں۔ کتاب الٰہی میں قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے اور ہر قضیہ کا اصولی انداز میں جواب مل سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے بڑی بصیرت اور باریک بینی کی ضرورت ہے۔ بہر حال ایک حدیث کے مطابق کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم کے عجائب کی انتہا نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں ہر دور والوں کی "خبریں" بھی مذکور ہیں۔ جو متعلقہ ادوار کے (علمی و فکری اور تہذیبی و تمدنی) فتنوں سے نکلنے کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:۔

أما انى سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول: ستكون فتنٌ قلت وما المخرج منها؟ قال كتاب الله كتاب الله - فيه نبأما قبلكم و خبر ما بعدكم و حكم ما بينكم، هو الفصل ليس

ہاں تو دیکھو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب فتنے رونما ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ ان فتنوں سے نکلنے کی سبیل کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب اللہ کی کتاب (یعنی اس کو مضبوطی سے پکڑ لو) جس میں تمہارے دور سے پہلے کے واقعات

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۸/۱۵۰

بالھزل۔ ھو الذی من ترکه من جبار قصمه اللہ۔ و من ابتغی الھدی فی غیرہ اضله اللہ۔ فھو حبل اللہ المتین و ھو الذکر الحکیم۔ و الصراط المستقیم و ھو الذی لا تزیغ به الاھواءُ۔ ولا تلتبس به الالسنة ولا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا تنقضی عجائبه و ھو الذی لم ینته الجن اذ سمعته ان قالوا (انا سمعنا قرآنا عجبا) ھو الذی من قال به صدق و من حکم به عدل و من عمل به اجر۔ و من دعا الیه ھدیٰ الی صراطٍ مستقیم۔

بھی ہیں۔ اور تمہارے بعد والوں کی خبریں بھی اور اس میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز بھی موجود ہے۔ وہ ایک فیصلہ کن قول ہے نہ کہ فضول چیز۔ جو کوئی سرکش اُسے (گھمنڈ کی بنا پر) چھوڑے گا تو اللہ توڑے گا اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی دوسری چیز سے رہنمائی حاصل کرے گا تو اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ حکمت سے بھرپور تذکرہ ہے۔ وہی سیدھا راستہ ہے یہی وہ چیز ہے جس سے لوگوں کی خواہشات بے قابو نہیں ہو سکتیں۔ اور انسانی زبانیں (اس کے اسلوب اور طرز ادا سے) میل نہیں کھاتیں۔ علماء اس (کی تلاوت) سے سیراب نہیں ہو سکتے اور کثرت تکرار کے باوجود پرانا نہیں ہوتا اس کے (علمی) عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے یہی وہ کلام ہے جب جنوں نے اس کو سنا تو وہ بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے"۔ یہی وہ کلام ہے کہ جس نے بھی اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا جس نے اس کے ذریعہ فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا جس نے اس پر عمل کیا تو وہ ماجور ہوا۔ اور جس نے اس کی طرف بلایا تو اسے صراط مستقیم سے نوازا گیا [1]

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

---

[1] ترمذی کتاب فضائل القرآن ۵/۱۷۲ (بیروت)
دارمی ۲/۴۳۵

Star's
TREVIRA®

AND IT'S ·SANFORIZED·

• BLENDED FABRICS
• CREASE RESISTANT
• WASH-N-WEAR
• MERCERISED

makers of the finest poplins

STM- 1/79

Ci Crescent Communications International

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
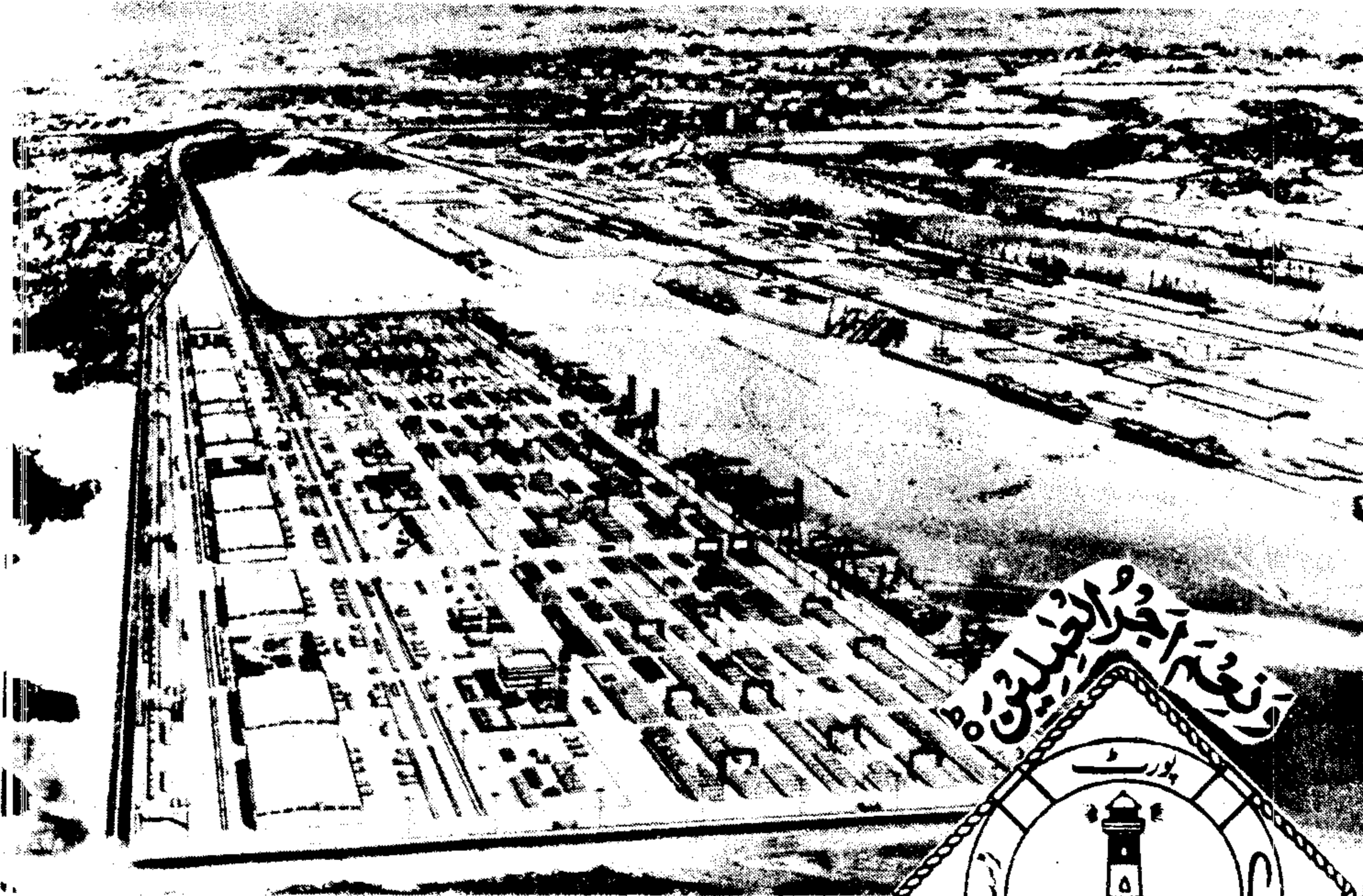
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad
PARAGON

از مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مفتی دارالعلوم حقانیہ

مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانی کی تدفین

استفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ بعض قادیانی اپنے مُردے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ ان کو نکالا جائے۔ تو کیا قادیانی کا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں اور مسلمانوں کے اس طرز عمل کا کیا جواز ہے۔ (سائل جاوید اقبال بنوں)

الجواب ۔ قادیانی کافر اور مرتد ہے۔ کیونکہ قادیانی دعویٰ اسلام کے باوجود ضروریات اسلام سے انکار کر رہے ہیں۔ اور اسی کو ارتداد کہا جاتا ہے۔ کسی کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ہے۔ ہندیہ ج ۱ ص ۱۵۹۔ بلکہ کفار اور مشرکین کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ مگر کافر کی تدفین، مسلمان کی تدفین سے متغائر ہے۔ کافر کو بغیر مراعات سنت لحد کے زمین میں دفنایا جائے گا۔ البحر ج ۲ ص ۱۹۱۔ اور مرتد کا تو کفار کے قبرستان میں بھی دفن کرنے کے لئے دینا ممنوع ہے۔ بلکہ بغیر غسل و کفن کے کتے کی طرح کسی گڑھے میں گاڑا جائے گا۔ علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

اما المرتد فلا یغسل ولا یکفن وانما یلقی فی حفیرۃ کالکلب ولا یدفع الی من انتقل الی دینھم کما فی فتح القدیر البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۱ وھکذا فی الدر المختار

لہٰذا کسی قادیانی کا مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر کسی جگہ مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانیوں نے قادیانی کو دفن کر دیا تو چونکہ مسلمانوں کا قبرستان صرف مسلمانوں کے لئے ہی وقف ہوتا ہے کسی غیر کے لئے نہیں لہٰذا اس صورت میں قادیانی غاصب متصور ہوں گے۔ تو اس طریقے سے کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کے جرم کے ساتھ جرم غصب بھی لازم آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ذمی کے میت کو اگرچہ اسلام نے محترم ٹھہرایا ہے مگر کافر اور مرتد کو نہیں۔ درمختار بحوالہ بالا

اور اسی طرح درمختار میں ہے عظم الذمی محترم الخ اور ردالمختار میں ہے:۔

قولہ عظم الذمی محترم الخ فلا یکسر اذا وجد فی قبرہ لانہ کما حرم ایذائہ فی حیاتہ الی قولہ واما اھل الحرب فان احتیج الی نبشھم الخ ج ۱ ص ٦٦٨

اور مرتد کا الحربی ہے چنانچہ جس طرح کہ حربی کے قتل سے قصاص واجب نہیں اسی طرح مرتد کے قتل سے

بھی واجب نہیں۔ (ہندیہ) اور مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کی کسی چیز بالخصوص کسی موقوف چیز پر کسی کافر کا غاصبانہ قبضہ بشرط قدرت نوٹر نہ ڈالے (ہندیہ ج ۲ ص ۴۴۷)

وفی الحدیث اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۲۲) لہٰذا صورت مذکورہ میں علاقے کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس قادیانی میت کو مسلمانوں کے قبرستان سے نکال کر کسی گڑھے میں دفن کردیں تاکہ ان جرائم کا ازالہ ہوجائے۔ اور یہ صورت نبش حرام کی صورت نہ ہوگی۔ کیونکہ غصب کی صورت میں مسلمان میت کا نبش بھی جائز ہے۔ اور کافر اور مرتد کا تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ ہندیہ میں المیت بعد ما دفن بمدۃ طویلۃ او قلیلۃ لا یسعہ اخراجہ من غیر عذر والعذر ان یظہر ان الارض مغصوبۃ ج ۲ ص ۴۷۰

اور اگر بالفرض یہ تدفین وہاں کے کسی مسلمان کی اجازت سے ہوئی ہو تو اس کا بھی شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق کسی کو حاصل نہیں۔ کہ جہتہ موقوف علیہا میں تغیر اور تبدیل کرلیں۔

ردالمحتار میں ہے۔ فان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث یشاء الخ ج ۳ ص ۳۹۵ وفی ص ۴۱۲ فیہ/ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفہوم والدلالۃ ووجوب العمل الخ اور اسی طرح یہ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو مسلمانوں کے حق دبانے کی اجازت دینے کا مجاز نہیں ہے۔ یہ بھی ملحوظ ہو کہ چونکہ قادیانی صورت مذکورہ میں مسلمانوں کے وقف کے غاصب ٹھہر گئے ہیں اور اس میں تصرف کرکے اپنا میت اس میں دفن کردیا ہے اور اسی طرح صورت میں ایسے وقف مغصوبہ کا استرداد ضروری ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنا مغصوب وقف کا استرداد کرلیں۔ ہندیہ میں ہے

ولو غصبہا من الواقف او من والیہا غاصب الیٰ قولہ فان کان الغاصب زاد فی الارض من عندہ ان لم تکن الزیادۃ الیٰ قولہ فان یسترد الارض من الغاصب بغیر شیٔ (ج ۲ ص ۴۴۷)

تنبیہ:۔ اور جس طرح کہ ابتداء کافر اور مرتد کی تدفین مسلمانوں کے قبرستان میں ممنوع ہے اسی طرح بقاء بھی ممنوع ہے۔ یدل علیٰ ذلک ما فی ہندیہ نصہ ھذا مقبرۃ کانت من المشرکین ارادوان یجعلوھا للمسلمین فان کان کانت اثارھم قد اندرست فلا بأس بذلک وان بقیت اثارھم بان بقی من عظامھم شیٔ ینبش ویقبر ثم یجعل مقبرۃ للمسلمین..... الخ (ج ۲ ص ۴۶۹)

فلیتامل:۔ اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ۔ (جلد اول) اس لیے مسلمانوں پر اس منکر کا ازالہ ضروری ہے۔ ——— "یہ تحقیق باصواب ہے، حکومت اور واقفین اور مقامی بااثر اشخاص پر ضروری ہے کہ وہ اس میت کو نکلوائیں یا نکالیں"۔ ——— محمد فرید عفی عنہ۔ شیخ الحدیث وصدر دار الافتاء دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار

قسط ۲

فتنۂ قادیانیت

اور

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

حاضر ناظر کا مسئلہ | جناب طالب ہاشمی صاحب اپنے مقالے میں لکھتے ہیں :-

"اگر مولانا مدرار اللہ صاحب کو "صدق جدید" کے فائل (بالخصوص ۱۹۵۱ تا ۱۹۵۳ء کے) کہیں سے مل جائیں تو ان کا مطالعہ کریں اس کے بعد وہ دل پر ہاتھ رکھ کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ دیں کہ مولانا دریابادی قادیانیت کے بارے میں نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے تو ہم ان کی بات کو تسلیم کر لیں گے"

ہم مولانا دریابادی کی مُبیّنہ قابلِ اعتراض باتوں پر سلسلہ وار بحث کریں گے۔ سردست ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حاضر و ناظر کا اطلاق کس قبیل سے ہے۔ غائب کے مقابلے میں حاضر اس کو کہتے ہیں جو متکلم کی مجلس میں موجود ہو اور متکلم کے مشاہدے اور معائنے میں ہو۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات فی غریب القرآن میں حاضر میں یہی مطلب بیان کیا ہے فرماتے ہیں :-

وقال اللہ تعالیٰ ما عملت من خیرٍ محضراً ای مشاهداً معاینا فی حکم الحاضر عنده (المفردات ص۱۲۱)

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے کوئی عمل خیر کیا ہو وہ اس کو اپنے سامنے حاضر پائے گا۔ اس کا مشاہدہ و معائنہ کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر اس کو کہتے ہیں جو سامنے موجود ہو۔ اور اس کا مشاہدہ و معائنہ کیا جاتا ہو۔ جب کہ نص قرآنی ہے۔ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" آنکھیں ذاتِ باری کا ادراک نہیں کر سکتیں"

مخفی نہ رہے کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ذکر کئے گئے ہیں وہ محدثین اور فقہائے اسلام کی اصطلاح میں توقیفی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ناموں کے علاوہ اس کو کسی اور نام سے پکارنا ممنوع ہے خواہ وہ نام مفہوم معنی کے لحاظ سے اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "لمعات" میں فرماتے ہیں :-

اعلم انّ اسمآء اللہ تعالیٰ توقیفیۃٌ بمعنی انه لایجوز ان یطلق اسم مالم یأذن له الشرع

او اشعر بنقص (لمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۹۹)

ترجمہ - تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں بدیں معنی کہ اللہ تعالیٰ پر ایسے نام کا اطلاق ناجائز ہے جس کی شریعت مطہرہ نے اجازت نہیں دی۔ یا اس سے نقص کا پہلو نکلتا ہو۔

مدینہ کے یہودی اللہ تعالیٰ کو اپنے خانہ ساز ناموں مثلاً "ابوالمکارم" کے نام سے پکارتے تھے۔ قرآن حکیم نے خود اس کی مذمت فرمائی۔ اس مقصد کے لئے سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۰ ملاحظہ کی جائے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"سب اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سو اس کو انہی ناموں سے پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں"

امام راغب اصفہانی "الحاد" یعنی کجروی کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

والالحاد فی اسمائہ علی وجھین احدھما ان یوصف بما لا یصح بہ وصفہ بہ والثانی ان یتاول اوصافہ علی مالا یلیق بہ (المفردات)

یعنی اس میں کجروی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں موجود نہ ہوں یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں۔ وہ اس کی جانب منسوب کی جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی صفات میں نامناسب تاویل کی جائے

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :۔

خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں۔ یا اس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے۔ یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے۔ یا ان کو معصیت مثلاً وغیرہ کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کجروی ہے (تفسیر عثمانی بہ ضمن آیت مذکورہ)

علماء حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کو کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھ دے۔ یا جس صفت کے ساتھ چاہے اس کی حمد و ثنا کرے۔ بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہے جو قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے بطور نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں سخی نہیں کہہ سکتے۔ نور کہہ سکتے ہیں ابیض نہیں کہہ سکتے۔ حکیم کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ دوسرے الفاظ شریعت میں منقول نہیں اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔

لفظ ھا مُنو اسمائے حسنیٰ میں نہیں ہے اور نہ سلف سے اس لفظ کا استعمال اللہ کے لئے منقول ہے

اس کے علاوہ علماء علم عقائد کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء و صفات ازلی و ابدی ہیں چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ کی فقہ اکبر کی عبارت ملاحظہ ہو :-

لم یزل ولا یزال باسمائہ وصفاتہ لم یحدث لہ اسم ولا صفۃ (شرح فقہ اکبر ص ۲۷)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے ناموں کے ساتھ ازلی ہے۔ نہ کوئی نام اس کا نو پیدا ہے اور نہ اس کی کوئی صفت حادث ہے۔ ازلی اس شئے کو کہتے ہیں جس کی ابتداء نہ ہو۔

علماء علم عقائد اور محققین اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ حادث یعنی وہ چیز جو پہلے نہ تھی اور پھر ہو گئی۔ قائم نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ بعض فرق ضالہ مثلاً مجوس اور کرامیہ کی رائے اس کے برعکس ہے جس کو ہم رد کرتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ علم عقائد اور فقہ میں یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان اور جہات یعنی ہر قسم کی جہتوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔ چنانچہ شرح عقائد میں ہے :-

ولا یتمکن بمکان ولا یجری علیہ زمان (شرح عقائد النسفیہ ص ۳۲)

اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے اور نہ زمانہ اس پر گردش کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ مکان اور زمان جملہ مخلوقات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ اس وقت کوئی شئے موجودات میں نہ تھی پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ زمانی و مکانی ہے۔

علامہ سعد شرح عقائد میں لکھتے ہیں :-

واذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جہۃ لا علو ولا سفل ولا غیرہما (ص ۳۳)

اور جب اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے تو وہ کسی جہت میں بھی نہ ہوا۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ اور نہ ان کے علاوہ، اور جہتوں میں۔ مثلاً دائیں طرف یا بائیں طرف یا آگے یا پیچھے۔ الغرض اللہ تعالیٰ مکان و زمان اور تمام جہات و اطراف سے پاک و برتر ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اور خالق کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مخلوق سے ممتاز، برتر اور علیحدہ ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر سورۃ جن میں لکھتے ہیں :-

"غیب نام چیزیست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر کہ بمشاہدہ و وجدان دریافت شود"

غیب اس چیز کا نام ہے کہ ظاہری و باطنی حواس کے ادراک سے غائب ہو۔ نہ حاضر کہ وہ مشاہدہ اور وجدان سے دریافت کیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز "تحفہ اثنا عشریہ" میں اہل سنت کا تیرھواں عقیدہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

"عقیدہ سیزدہم آنکہ حق تعالیٰ را مکان نیست و او را جہتے از فوق و تحت متصور نیست و ہمیں است مذہب اہل سنت و جماعت۔ بندہ را اتصال مکانی و قرب جسمانی با حضرت حق تعالیٰ متصور نیست قربیکہ در آنجا متصور است بدرجہ و منزلت و خوشنودی است و بس ہمیں است مذہب اہل سنت۔"

یعنی تیرھواں عقیدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکان نہیں ہے۔ اور اس کے لئے کوئی جہت از قسم فوق و تحت وغیرہ متصور نہیں ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال مکانی اور جسمانی قرب حاصل نہیں ہے۔ اور بندہ کو جو قرب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ درجہ، مرتبہ اور خوشنودی کے لحاظ سے ہے۔ اور بس یہی ہے مذہب اہل سنت۔"

اور امام ابن تیمیہؒ اپنی تصنیف "حمویہ" میں لکھتے ہیں:-

"انہ تعالیٰ فوق سمٰوٰتہ علی عرشہ بائن من خلقہ ولا نقول کما تقول الجہمیۃ انہ فی الارض"

اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ اور ہم فرقہ جہمیہ کی طرح نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ہے۔

امام الذہبی کتاب العرش میں لکھتے ہیں:-

"قیل لابی عبداللہ بن احمد بن حنبل اللہ فوق السماء السابعۃ علیٰ عرشہ بائن من خلقہ وعلمہ وقدرتہ بکل مکان قال نعم"

ابوعبداللہ بن احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ اللہ ساتویں آسمان کے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ اور اس کا علم اور قدرت ہر ایک مکان پر ہے۔ امام احمد نے جواب میں کہا کہ ہاں اسی طرح ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیتوں سے انسانوں کے ساتھ اللہ کی معیت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ"

"تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

اس بارے میں امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

"وهو معكم اينما كنتم" قال المتوكلون هذه المعيّة إمّا بالعلم وامّا بالحفظ والحراسة وعلى التقديرين انعقد الاجماع على انّه سبحانه ليس معنا بالمكان۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۳ مولانا عبدالحئی)

"اور تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے"، متکلمین نے کہا ہے کہ یہ معیت یا تو علم کے لحاظ سے ہے اور یا حفاظت ونگہبانی کے لحاظ سے ہے حق یہ ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ مکان میں نہیں ہے"

مذکورہ دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بات صاف ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے ماوراء ہے اور انسانوں یا مخلوقات کے ساتھ اس کی "معیت علمی" ہے ذاتی نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ازلی ہیں اور کوئی نیا اسم اس کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ حاضر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محل نظر ہے اور چونکہ حاضر اس کو کہتے ہیں جو مشاہدہ ومعائنہ میں آتا ہو۔ اور انسان اپنے حواس ظاہری سے اس کا ادراک کرے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اور حدوث کے لوازمات سے پاک ہے اس لئے اللہ جل مجدہٗ پر حاضر کا اطلاق نہیں ہو سکتا ۔

تلقینِ درس اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے ومکرر نمی کنیم

مولانا عبدالماجد اور مرزائی لاہوری جماعت جناب طالب ہاشمی صاحب نے اپنے سابقہ اور حالیہ مقالہ میں یہ شکایت دہرائی ہے کہ:۔

"مولانا (عبدالماجد) یہ عقائد رکھتے ہوئے مرزائیوں (بالخصوص لاہوری مرزائیوں) کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ نرم گوشہ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی تکفیر اُن پر گراں گذرتی تھی"

جہاں تک اس فقیر کا تعلق ہے تو میں لاہوری اور قادیانی جماعتوں کا ابتداء ہی سے مخالف چلا آرہا ہوں اور قید وبند کے مراحل سے بھی گذرا ہوں میں نے ۱۹۳۵ء میں مولانا غلام غوث ہزاروی کی قیادت میں شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام ہوتی مردان قائم کیا تھا۔ جب کہ بندہ کو اس کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا تھا۔ میں نے مولانا غلام غوث ہزاروی کے ہمراہ مردان اور ضلع مردان کے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا جہاں مرزائی عنصر موجود تھا۔

حضرت ہزاروی بندہ پر بہت مہربان تھے اور جب قادیانیوں کی شکایت پر مردان میں ایک عظیم الشان انٹی قادیانیت کانفرنس منعقد کرنے پر انگریزی حکومت نے بندہ کو گرفتار کر لیا۔ تو صوبہ سرحد کی جمعیۃ علماء کے علاوہ حضرت ہزاروی اور مولانا مظہر علی اظہر جنرل سیکرٹری مجلس احرار مردان تشریف لائے اور اجتماعات میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ (مولانا) عبداللہ کو غیر مشروط طور پر مقدمات سے بری کر دیا جائے تو چھ مہینے کے بعد آخر کار حکومت نے بندہ کو بری کر دیا میرے ہاتھ پر دو مرزائیوں نے قبول اسلام بھی کیا تھا۔ جن کا ہم نے ہوتی مردان کے بازاروں میں جلوس بھی نکالا تھا۔

لیکن اب جناب طالب ہاشمی صاحب سے علمی مذاکرہ کا سلسلہ چل نکلا ہے تو بعض تاریخی واقعات سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے جس سے مولانا عبدالماجد کے موقف کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

لاہوری اور قادیانی عقائد میں فرق

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات کے بعد اس کی جماعت دو ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ کی قیادت مرزا کے خلیفہ حکیم نورالدین کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کی سرپرستی محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین اور صدرالدین کر رہے تھے۔ یہ اختلافات اس قدر بڑھے کہ محمد علی وغیرہ قادیان چھوڑ کر لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خیالات اور سیاسی موقف کی بڑی حد تک تائید کر رہے تھے۔ چنانچہ مرزا بشیرالدین محمود نے اخبار الفضل میں ان کے خلاف مضامین لکھنے شروع کئے اور جب حکیم نورالدین کی وفات کے بعد مرزا بشیرالدین محمود کو قادیانی جماعت کا سربراہ چن لیا گیا۔ تو اس کے بعد محمد علی، خواجہ کمال الدین، صدرالدین اور ان کے رفقاء قادیانی جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اور لاہوری جماعت کا آغاز ہوا۔ اور یہاں سے قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں کی اصطلاح سامنے آئی۔ قادیانی جماعت مرزا غلام احمد کو مستقل نبی کہتی ہے اور اس کو نبی نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو خارج از اسلام اور کافر سمجھتی ہے۔

اور لاہوری مرزائیوں کے عقائد کیا ہیں؟ یہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"لاہوری جماعت مرزا صاحب کی معتقد ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حتی الوسع اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے وابستہ رکھنا اور ان کے دکھ سکھ میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔ لاہوری احمدی غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہتے۔ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں۔ بلکہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں اور احمدیہ عقائد اور عام مسلمانوں کے عقائد میں جتنا کم اختلاف ہو اسے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے خواجہ کمال الدین نے حادثہ کانپور کے متعلق عام مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کیا تھا اور بلقان اور طرابلس کے ہنگاموں میں ان کے نقطہ نظر کا اظہار کرنے میں پوری قوت صرف کر دی تھی (موج کوثر[۱۸])

جناب شیخ محمد اکرام صاحب آگے چل کر قادیانی مرزائیوں کے عقائد کے متعلق یہ وضاحت بھی کی ہے کہ
وہ اپنی علیحدہ اجتماعی ہیئت کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ غیر مسلموں کی طرح ان کی تہذیب و تمدن مسلمانوں سے مختلف نہیں۔ لیکن مذہبی امور میں وہ ان سے علیحدہ ہیں۔ جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا اسے کافر سمجھتے ہیں اور عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے (موج کوثر صد ۱۸) (یاد رہے کہ یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں چھپی تھی)

لطیفہ یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ ۱۹۷۴ء میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے قومی اسمبلی نے بالاتفاق و بالاجماع قادیانی مرزائیوں کے ساتھ لاہوری مرزائیوں کو بھی "سگ زرد برادر شغال باشد" کے مصداق غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اور مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے کے سبب خود قادیانی مرزائی بھی لاہوری مرزائیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ایک شاعر نے شاید ایسے موقع کے لئے یہ شعر کہا تھا ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

موج کوثر کا ایک اندراج ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :-
مولوی محمد علی کا ترجمہ و تفسیر قرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھوں انجام پایا۔ ترجمے کے علاوہ آپ نے کلام مجید کی مختلف سورتوں کی تقسیم و ترتیب کر کے اور ان کے مضامین کا خلاصہ دے کر مطالب قرآن کو واضح کیا ہے۔ اور کوشش کی کہ صرف الفاظ ہی پر توجہ نہ رہے بلکہ کلام مجید کے ارشادات اور خیالات بھی وضاحت سے ذہن نشین ہو جائیں۔

آج کلام مجید کے متعدد انگریزی ترجمے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن شرف اولیت محمد علی کے ترجمے ہی کو ہے اور گذشتہ ربع صدی میں انگریزی خواں طبقے کو قرآن سے جو زیادہ دلچسپی ہوئی ہے اس کا بڑا سبب محمد علی کا ترجمۃ القرآن ہے ۔ (موج کوثر صد ۱۸۱)

سطور بالا میں قادیانیت اور لاہوریت کے درمیان جو فرق ہے وہ ایک حد تک واضح کیا گیا ہے لاہوری مرزائیوں کے بارے میں ہم اپنی رائے آگے چل کر پیش کریں گے۔ اس وقت صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مولانا عبدالماجد محمد علی لاہوری کے بارے میں جو نرم گوشہ رکھتے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے سب سے پہلے انگریزی خواں طبقے کو قرآن مجید کے قریب لانے کے لئے انگریزی میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پیش کی۔ اور حدیث مبارک میں ہے :-

كلمة الحكمة ضالة المؤمن فهوا حق بها حيث وجدها — حکمت اور دانائی کی بات مؤمن کی گم شدہ متاع ہے اس نے جہاں بھی اس کو پایا۔ تو وہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اس اصول کے ماتحت مولانا عبدالماجد نے محمد علی کی تفسیر کو غور سے مطالعہ کیا اور " خُذ ماصفا ودع ماکدر " کے مطابق اپنے مطلب کے اشارات ونکات اس سے اخذ کئے۔ مولانا عبدالماجد کو اعتراف ہے کہ اس کی تفسیر میں بعض باتیں اہل سنت والجماعت کے نقطہ سے غلط بھی ہیں۔ لیکن مولانا نے ان کو دیوار پر پھینک دیا۔ چنانچہ مولانا خود تفسیر ماجدی کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

تفسیر بیان القرآن ۳ جلدوں میں۔ از مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ امیر جماعت لاہور۔ مغربیت سے متاثر گروہ کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا گو ظاہر ہے کہ اس کے متعدد بیانات مسلک اہل سنّت والجماعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اعتقادی غلطیاں اور تحریف کی جسارتیں

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب میں محمد علی لاہوری کی تفسیر قرآن کے بارے میں مولانا عبدالماجد کا ایک بیان درج کیا ہے جس میں مولانا نے جہاں محمد علی کی تفسیر کو مغرب زدہ طبقہ کے لئے مفید اور بہت مفید قرار دیا ہے۔ وہاں یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ

" اس بیس سال کے عرصے میں خامیاں اور غلطیاں بہت سی بلکہ بعض جگہ تو ایسی جسارتیں جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں اس ترجمہ وتفسیر کی علم میں آچکیں لیکن انگریزی خوانوں کے حق میں اس کے مفید ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں۔۔۔۔ مترجم کی بعض اعتقادی غلطیوں کی بناء پر ان کی ساری کوششوں سے بدظن ہو جانا قرین انصاف ومقتضائے تحقیق نہیں"

(موج کوثر ص۲۱۸)

جناب طالب ہاشمی نے مولانا دریابادی کے حوالے سے بعض اکابر کے نام لکھے ہیں۔ کہ وہ اہل قادیان کو باوجود سخت غلط، گمراہ اور بدعتی سمجھنے کے کافر، مرتد اور خارج از اسلام نہیں سمجھتے تھے"

اس حوالے میں جن اکابر کے نام لکھے گئے ہیں ان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں اور مصلحت بھی نہیں۔ بہرحال ایک بات ذہن نشین رہے اور وہ یہ کہ اگرچہ عقائد وخیالات کی رو سے قادیانی اور لاہوری دو مختلف جماعتیں ہیں۔ لیکن دونوں کا سرچشمہ قادیان اور مرزا قادیانی ہے اس لئے بعض اہل علم تک ان کے

درمیان یہ فرق نہیں کرتے اور دونوں کو اہل قادیان کہتے ہیں۔ قادیانی مرزائی تو کفر بواح میں مبتلا ہیں۔ وہ مرزا قادیانی کو مستقل نبی مانتے ہیں اور جو اس کو نبی نہیں مانتے۔ اس کو کافر کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے تمام مسلمان توان کے نزدیک کافر ہیں ہی لاہوری مرزائیوں کو بھی وہ کافر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مرزا کو مجدد، مصلح وغیرہ تو مانتے ہیں لیکن نبی قطعاً نہیں مانتے۔ اس لئے معدودے چند حضرات لاہوری مرزائیوں کو سخت غلط، گمراہ اور مبتدع سمجھنے کے باوجود کافر اور مرتد نہیں سمجھتے تھے۔ اگرچہ لاہوری مرزائیوں کا کفران کے دیگر عقائد سے ثابت ہے اور اسی بنا پر ۱۹۷۴ء کے آئینی ترمیم میں دونوں فرقوں کو یکساں طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس وقت دونوں فرقوں کے اکابر کو قومی اسمبلی کے اندر اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ لیکن وہ اپنی صفائی پیش کرنے سے قاصر رہے۔ بلکہ علی الاعلان دونوں فریق اپنے کفریہ عقائد پر جمے رہے۔ یہی تو وجہ تھی کہ قومی اسمبلی کے اندر تمام ارکان نے ان دونوں فریقوں کو بالاتفاق غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ میرے خیال میں اگر اس وقت مولانا دریابادی زندہ ہوتے۔ اور اسلام کے مقابلے میں دونوں فرقوں کی ہٹ دھرمی اور صف بندی دیکھ لیتے۔ تو وہ لاہوری مرزائیوں یا اہل قادیان کے بارے میں اپنے مسلک سے اعلان برأت فرما دیتے۔ جب کہ یہ مسلک انہوں نے ایک تاویل کی رو سے اختیار کیا تھا۔ یہاں ہم اس کی کچھ وضاحت کر دیتے ہیں۔

مسئلہ تکفیر اور فقہائے حنفیہ فقہ حنفیہ میں الفاظ کفر کے لئے ایک باب مقرر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں لفظ کہنے سے کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن محققین فقہا اور متکلمین اسلام نے اس بارے میں داد تحقیق دیتے ہوئے انتہائی محتاط مسلک اختیار کیا ہے۔ جس کی غرض و غایت یہ ہے کہ حتی الوسع مدعی اسلام کو کافر کہنے سے اجتناب کیا جائے۔ یہ بحث تو بہت طویل ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ چند مسائل و دلائل اس مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین صاحب رد المختار نے اس مسئلے پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے:

(۱) فان الکفر امر عظیم لم یتا جسر احد من الائمۃ علی الحکم بہ (رسائل ابن عابدین ص ۳۶۶) — کفر ایک عظیم امر ہے اس لئے اماماں مذہب میں سے کسی نے کفر مسلم پر حکم کرنے کی جسارت نہیں کی ہے۔

(۲) ثم قال صاحب البحر والذی تحرر انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ

علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفہ فعلی ھذا فاکثر الفاظ التکفیر المذکورۃ لا یفتی بالتکفیر بھا ولقد الزمت نفسی ان لا افتی بشئ منھا۔

(رسائل ابن عابدین صـ ۳۴۲)

البحر الرائق کے مصنف نے کہا ہے کہ جس نے یہ لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے اگر اس کی بات محمل حسن پر حمل کرنے کا امکان رکھتی ہو۔ یا اس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ وہ ضعیف روایت پر مبنی ہو (صاحب بحر کہتے ہیں) کہ اس بنا پر اکثر الفاظ تکفیر پر جو کتابوں میں مذکور ہیں۔ کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے اور میں نے اپنے اوپر یہ لازم کیا ہے کہ میں ان الفاظ تکفیر میں سے کسی چیز پر فتویٰ نہیں دوں گا۔

(۳) علامہ ملّا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں :۔

المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لانّ الخطاء فی ابقاء الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم واحد (شرح فقہ اکبر صـ ۱۹۹)

"تکفیر مسلم سے جو مسئلہ متعلق ہے اگر اس میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کی نفی میں ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس احتمال پر عمل کرے جو مانع کفر ہو۔ اس لیے کہ ہزار کافروں کے زندہ چھوڑ جانے میں خطا واقع ہوئی تو اس خطا کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جو ایک مسلمان کے فنا ہونے میں سرزد ہو جائے۔

(۴) ان کان نیت القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم وان کان نیت الوجہ الذی یوجب التکفیر لا ینفعہ فتوی المفتی ویؤمر بالتوبۃ والرجوع عن ذالک -

(شرح فقہ اکبر صـ ۲۳۷)

اگر قائل کفر کی نیت اس وجہ کی ہو۔ جو مانع ہو تو وہ مسلمان ہے اور اگر اس کی نیت کی وجہ موجب تکفیر ہو تو پھر بھی مفتی کا فتویٰ کفر اس شخص کو فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کو کلمات کفر سے توبہ اور رجوع الی الحق کا حکم کیا جائے۔

(۵) اذا شھدوا علی مسلم بالردۃ وھو منکر لا یتعرض لہٗ لا لتکذیب شھود العدول بل لان انکارہ توبۃ ورجوع (فتح القدیر ج ۵ مطبع مصری صـ ۳۳۲ مجمع الانھر صـ ۶۹۶ - خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ صـ ۵۵۷)

جب ایک مسلمان کی ردّت پر عادل گواہان شہادت دیں مگر وہ اپنی ردّت سے منکر ہو تو قاضی اس پر

کوئی تعرض نہ کرے ۔ نہ اس لئے کہ عادل گواہوں کی شہادت جھوٹی ہے بلکہ اس لئے کہ اس شخص کا رونا سے انکار کرنا توبہ اور رجوع الی الاسلام ہے ۔

(۲) رجل قال لا تخشی اللہ قال والفتوی انہ لا یکفر مطلقاً لتاویلہ بانہ کریم

(خلاصۃ الفتاوی ص ۵۵۸)

ایک شخص نے دوسرے مسلمان کو کہا کہ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا ۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ نہیں ۔ تو مطلقاً کافر نہیں ہوتا ۔ اس کی اس تاویل پر کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے ۔

البتہ یہ واضح رہے کہ کفر کی بات کرنے والے کی وہ تاویل قبول نہ کی جائے گی جو باطل ہو ۔

اور اگر کوئی دوسرا شخص کفر کہنے والے کی بات میں نیک تاویل کرے مگر قائلِ کفر اس تاویل پر راضی نہ ہو تو یہ تاویل اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اس کو کفر کا مرتکب سمجھا جائے گا ۔

حاصل کلام مولانا دریابادی کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور وہ فقہا حنفیہ کی طرح مسئلہ تکفیر میں نہایت محتاط واقع ہوئے تھے ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے بزرگ عالم دین مولانا دریابادی کو قابل تعظیم و تکریم شخصیت سمجھتے تھے ۔ اپنی تصنیف " پرانے چراغ " میں ان کا ذکر بڑے احترام و ادب کے انداز میں کیا ہے انہوں نے مولانا دریابادی کو جو مشورہ دیا تھا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس مفہوم کو اس پیرائے میں ادا کرتے ہیں کہ :-

" مولانا نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور یہ بات ہم سب نیازمندوں کو معلوم ہے کہ مولانا جب کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں تو اس کو آسانی سے ترک نہیں فرماتے "

یہ مولانا ندوی کی عالی ظرفی اور قدر شناسی ہے کہ اپنے آپ کو مولانا دریابادی کے نیازمندوں میں شمار کیا اور ان کی جلالت شان کو نہیں گھٹایا ۔ اور اکابر بزرگوں کا طریقہ بھی یہ ہے کہ وہ مسلمہ اکابر کے مختلف فیہ مسلک میں نیک تاویل کرتے ہیں اور انہیں ہدف نہیں بناتے ۔ میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے طریقہ اکابر بخوبی معلوم ہو سکتا ہے شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتابوں میں بعض شدید قسم کی باتیں لکھی ہیں لیکن اس کے باوجود ارباب علم و معرفت ان کو " شیخ اکبر " کے عظیم لقب سے یاد کرتے ہیں شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے نام سے دو اہم حکمت و معرفت سے لبریز کتابیں لکھی ہیں ۔ ہم فصوص الحکم کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ (جاری ہے)

اپنی جہاز راں کمپنی

پی این ایس سی

کے

جہاز

سے مال بھیجئے

بروقت - محفوظ - باکفایت
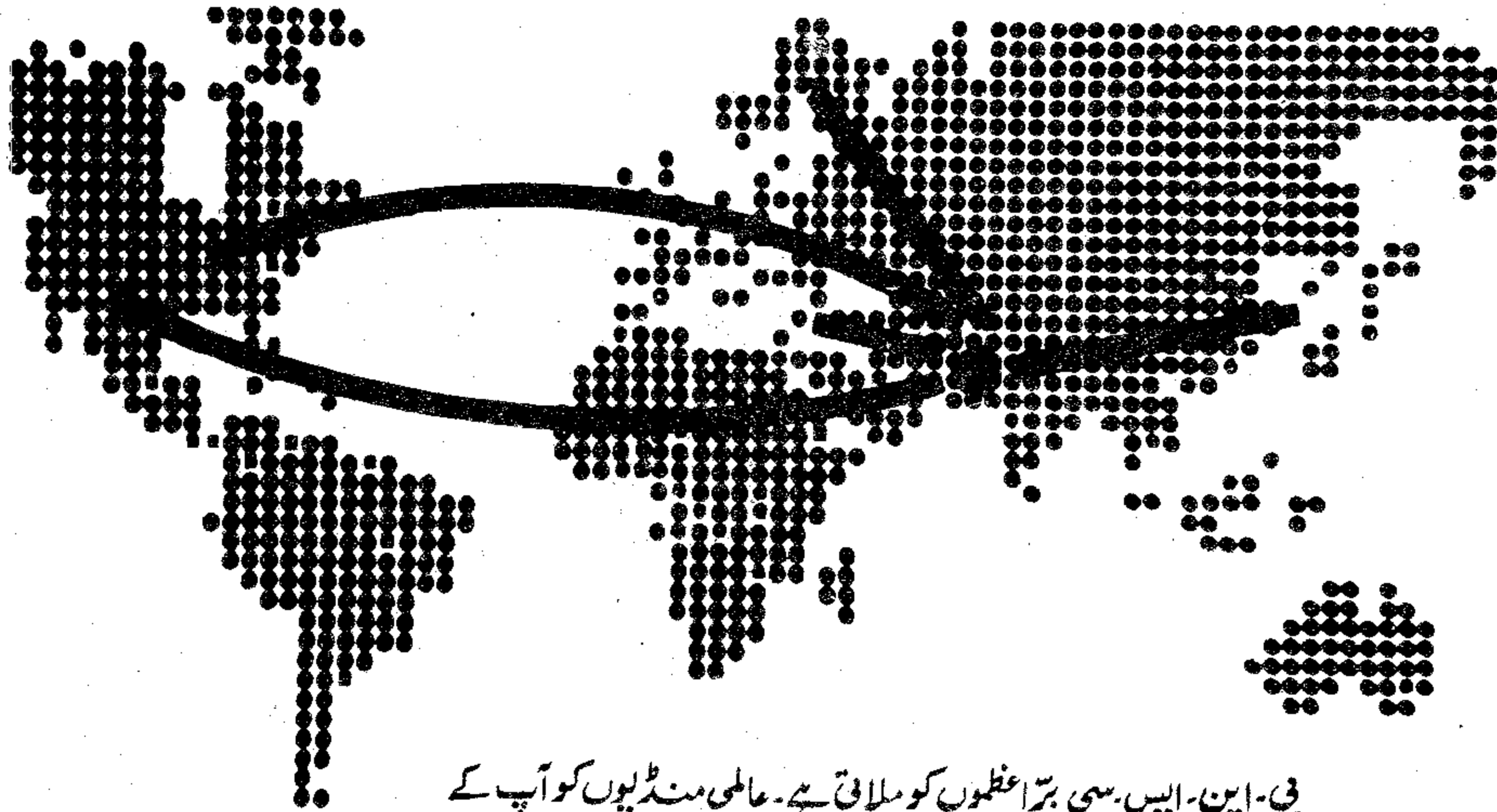
پی۔ این۔ ایس۔ سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔
پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNS(2 88 PID - Islamabad

PARAGON

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- احادیث الاحکام کے اردو تراجم
- اہلِ علم کے لیے ایک نادر علمی تحفہ
- ذکری مذہب کے تعاقب میں ماہنامہ الحق کا فضل و تقدم

احادیث الاحکام کے غالی اردو تراجم

ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں

● آپ کے حسب ایماء و اصرار صحیح مسلم شریف بترجمہ سید رئیس احمد جعفری ندوی کے بعض مقامات کو دیکھا۔ میں آں محترم کو اس کے مطالعہ کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے مقدمۂ کتاب میں خود ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ "احادیث کے عنوانات میں نے قائم کیے ہیں" ـــــ حالاں کہ ان عنوانات سے ہی ناظرین مسئلہ معلوم کرنے میں سخت غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں اس لیے غیر عالمِ دین اُردو دان حضرات کو اس قسم کی کتابیں ہرگز نہیں دیکھنی چاہئیں۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً صـ۲۸۳ میں انہوں نے عنوان قائم کیا ہے: "توحید کا اعتراف جہنم سے بچا لیتا ہے"؛ اس میں ایک تو مترجم نے اصل کتاب کا عنوان ذکر ہی نہیں کیا، اصل عنوان اس طرح ہے الامساك من الاغارة علىٰ قوم فی دار الکفر اذا سمعوا فیهم الاذان ـــ جس کا مطلب یہ ہے کہ دار الکفر میں جب کسی قوم سے اذان کی آواز سنی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حملہ کرنے سے رُک جاتے ـــــــ مترجم نے اس عنوان کو تو حذف کر دیا اور ایک مسئلہ (دینی حکم) کا بلا کسی تفصیل کے عنوان دے دیا ـــــــ حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ صرف توحید کا اعتراف جہنم سے بچا لیتا ہے۔ توحید کے ساتھ جب تک رسالت کا اعتراف نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا اعتراف نہ ہو، قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے اور قیامت تک اس کے مکمل طور پر محفوظ رہنے کا اعتراف نہ ہو، قیامت قائم ہونے، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ کا اعتراف نہ ہو اور اس طرح کے دوسرے عقائدِ ضروریہ کا اعتراف نہ ہو صرف توحید کا اعتراف دوزخ سے نہیں بچا سکتا۔

بہر حال اس عنوان پر اگر آپ یقین کر لیں گے تو قادیانی منکرِ ختمِ نبوت کو بھی غیر دوزخی سمجھیں گے، رافضی منکرِ حفاظتِ قرآن کو بھی غیر جہنمی سمجھیں گے، منکرِ آخرت کو بھی ناجی سمجھیں گے یعنی ان سب کو مسلمان قرار دینے کا نتیجہ یہی عنوان ہوگا۔

دوسری مثال صـ۲۵۱ پر عنوان دیا ہے: "بچہ کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے" ـــــ اصل عنوان ہے "حکم بول الطفل الرضیع وکیفیة غسله" مطلب اس کا یہ ہے کہ اس روایت میں دودھ پینے والے بچے کے

پیشاب کا حکم بیان ہوگا اور اس کے دھونے کی کیفیت بتلائی جاوے گی ــــ نئے عنوان میں اس نے بچہ کو مطلق لکھ دیا، حالانکہ جس بچے کا دودھ چھڑایا جائے اس کا حکم یہ نہیں، اسی طرح بچی کا حکم یہ نہیں ہے۔ اصل عنوان میں دھونے کی کیفیت کے الفاظ ہیں جو امام مسلمؒ نے حدیث سے سمجھا ہے نہ کہ صرف چھڑکنا ــــ اس عنوان کے ماتحت دوسری حدیث امام مسلمؒ نے نقل فرمائی ہے جس میں ہے کہ لم یغسلہ غسلاً ــــ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہتمام سے نہیں دھویا ــــ مترجم نے اس روایت کو لکھا ہی نہیں اور صرف لم یغسلہ کی روایت کا ترجمہ کر دیا کہ اس کو دھویا نہیں۔ غیر عالم اردو خواں اس سے بچے کے پیشاب کو پاک سمجھ کر اس پر پانی چھڑک دے گا اور سمجھے گا کہ امام مسلمؒ کے فتویٰ پر عمل کر لیا، نتیجتہً وہ پلیدی اور بھی پھیل جاوے گی۔ حالانکہ دوسری روایت سے اس کی وضاحت ہو سکتی تھی ــــ اس کے علاوہ لوح کتاب پر لکھا ہے کہ "صحیح مسلم مع شرح علامہ نوویؒ" مگر یہاں علامہ نوویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے کہ بچے کا پیشاب بالاجماع نجس اور پلید ہے، وغیرہ ذلک۔ اس کا ایک لفظ بھی نہیں دیا گیا۔

ان دو مثالوں سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احکام سے متعلق جو خالی تراجم تجارتی اغراض کے ماتحت چھاپ دیئے جاتے ہیں اُن سے غیر عالم اردو خوانوں کو نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ مذہبی بے تکی میں سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے ــــ آپ دینی کتابیں ضرور پڑھیں مگر احکام کی نہیں فضائل اور ترغیبات کی، اور احکام معتمد اور متدین علماء سے بوقت ضرورت معلوم کر لیا کریں ــــ فضائل اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتابیں اکسیر ہدایت ہیں ان کو بڑے اطمینان سے پڑھیں، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ بہت ہی فائدہ ہوگا ــــ (فقط واللہ اعلم)

(حضرت مولانا قاضی) عبد الکریم غفرلہٗ ۔ کلاچی

اہلِ علم کے لیے ایک نادر علمی تحفہ

● چند دن ہوئے دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی نے کمال شفقت سے ہمیں ایک کتاب بنام فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان (عربی) ارسال فرمائی ۔ یہ کتاب حدیث تاریخ میں پہلی بار شائع ہوئی ہے جس کے مصنف محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور موصوف کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے جس میں مسلک احناف کو احادیث مبارکہ سے مزین کیا گیا ہے اور مشکوٰۃ شریف کے طرز پر اس کی تعبیر کی گئی ہے۔

حضرت الشیخؒ اس تصنیف کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مشکوٰۃ شریف پڑھتا تھا تو یہ شبہ پیدا ہوا کہ مسلک احناف کے پاس سرمایہ حدیث یا تو ہے نہیں یا ہے مگر بہت کم اور ان کے مسلک کی بنیاد اکثر رائے و قیاس پر ہے۔

(جیسا کہ آجکل کے نام نہاد مجتہد بھی یہی کہتے نہیں تھکتے اور ہر تقریر و تحریر میں اسی کا رونا روتے ہیں) حضرت الشیخ رح فرماتے ہیں کہ ان حالات میں میں نے یہ طے کیا کہ اپنا مسلک تبدیل کر کے مسلکِ شافعیت اختیار کر لوں۔ چنانچہ میں نے اپنے استاذِ مکرم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت الاستاذ رح نے فرمایا کہ میں نے تمہیں مشکوٰۃ شریف استعجالاً پڑھائی، اسلئے شاید تم کو یہ خیال آیا ہے، تم فلاں فلاں کتابیں دیکھ لو پھر مجھ سے کہنا۔ چنانچہ حضرت الاستاذ کی ہدایات کے مطابق ان کتب کا مطالعہ شروع کیا تو میرے سارے اوہام و خیالات دور ہو گئے اور مجھے وثوق کامل ہو گیا کہ مسلکِ حنفی کے پاس سرمایۂ حدیث بھی زیادہ ہے اور ان کا مسلک زیادہ مؤید بالحدیث ہے — اس کے بعد ذہن میں یہ خیال گردش کرتا رہا کہ حدیث کی کوئی کتاب مشکوٰۃ شریف کی طرح ایسی ہونی چاہیئے جس میں مسلکِ احناف کا سرمایۂ حدیث مستند طور پر یکجا ہو، اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں ملی تو خود میں نے یہ کتاب "فتح الرحمان" کی تالیف اسی انداز پر شروع کر دی۔ (مقدمہ ص)

واقعۃً یہ کتاب اپنے طرز کی نرالی کتاب ہے اور حنفی نقطۂ نگاہ سے مشکوٰۃ شریف کا بدل ہے، اس کتاب کی دو جلدیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں اور حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ تیسری جلد کتابت کے مراحل سے گذر رہی ہے، اللہ کرے وہ بھی جلد شائع ہو جائے۔

حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ لائقِ صد مبارک ہیں کہ انہوں نے اس تحفہ نایاب کا سراغ لگایا۔ آپ نے اس کتاب کو از سرِ نو تحریر فرمایا۔ کتابت کا انتظام فرما کر طباعت کے مراحل سے بھی گذارا، اور یوں علم حدیث کی خدمت کے ساتھ ساتھ مسلکِ احناف کی تائید و تصدیق کے سلسلے میں بھی ایک قابلِ صد تحسین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جس کے لیے تمام اہلِ اسلام بالخصوص علماءِ احناف ان کے مشکور ہیں۔

"فتح الرحمان" اہلِ علم کے لیے ایک نادر تحفہ ہے، بالخصوص طلباء اور مناظر حضرات اس سے خوب استفادہ کر سکتے ہیں۔ خواہشمند حضرات مکتبہ حسامیہ محلہ دیوان دیوبند (بھارت) سے رابطہ قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

حافظ محمد اقبال رنگونی۔ (لندن)

ذکری مذہب کے تعاقب میں ماہنامہ الحق کا فضل و تقدم

● لاریب ماہنامہ الحق کو اس سلسلہ میں فضل و تقدم کا شرف حاصل رہا ہے کہ اس نے فتنۂ باطلہ "ذکری مذہب" سے متعلق اپنی اشاعتوں میں نہایت مفید، جامع اور مستند معلومات اور مضامین شائع کیے۔ اس عجیب و غریب باطل فرقہ کی حقیقت کو واضح کر دینے اور اس کے مفاسد و مضرات سے پوری قوم کو خبردار کر دینے میں تمام تر سبقت و فضیلت کا

استحقاق مجلہ "الحق" کو لوٹتا ہے۔ احقر نے بھی ذکری مذہب کے تتبع و تعاقب میں شبانہ روز محنت کر کے اس مذہب کے بنیادی عقائد، مذہبی رسومات اور من گھڑت دینی اعمال و عبادات اور احوال و کیفیات سے آگاہ ہونے کی کوشش کی اور پانچ سال تک تحقیق و تفحص کے صعب ترین اور صبر آزما مراحل سے گذرا، اسی غرض سے باقاعدہ بلوچی زبان سیکھی۔ ذکریوں کے علاقوں، دیہاتوں، معابد اور درسگاہوں کے مسلسل چکر کاٹے۔ کراچی سے گوادر تک ان کی مجالس، محافل، تہذیب و معاشرت اور مختلف تقاریب میں جا جا کر معلومات اور حقائق حاصل کیے۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں، اُن کے عباد و زہاد، ان کے علماء اور سکالروں اور اس مذہب کے چھوڑنے والے بعض خوش نصیبوں سے ملاقاتیں کیں، مذاکرات اور مباحث و تحقیقات کے راستے بنائے اور اس مذہب کی جدید و قدیم کتابوں کا بھرپور مطالعہ کیا۔ اس سلسلہ کی تحقیقات اور مضامین ماہنامہ الحق کے ذریعہ سے اس کے معزز قارئین اور پورے عالم اسلام کو آگاہ کرتا رہا۔ ان میں سے بعض مضامین کو صدیقی ٹرسٹ نے عربی میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے۔ ترجمہ ملک کے معروف سکالر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذِ حدیث حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے کیا ہے۔ (ڈاکٹر ضیاء الحق صدیقی)

● آپ حضرات بحمداللہ ماہنامہ الحق کی ترتیب و تدوین، مضامین کا انتخاب، ادبی معیار اور حالات کے ساتھ اور جدید دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نمایاں، مؤثر اور خوشگوار تبدیلی لا کر قارئین کی دلچسپیوں میں اضافہ کر رہے ہیں جس کے لیے آپ ہمارے دلی تشکرات کے مستحق ہیں۔ آپ کی توفیقات یوماً فیوماً ترقی پذیر ہوں۔ (مولانا مدار اللہ مدار مردان)

بقیہ صفحہ ۴۷ سے : سائنس اور اسلام

ایک دوسری حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما مسکتم بھما، کتاب اللہ و سنۃ نبیہ	میں نے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے اُس کے نبی کی سنت[1]

ایک اور حدیث کے مطابق جو حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا:۔

دوروا مع کتاب اللہ حیث ما دار۔ — کتاب اللہ کے ساتھ گھوم جاؤ وہ جدھر بھی گھومے[2]

ان احادیث و آثار کے مطابق قرآن مجید ہر مسئلے اور ہر معاملے میں قاضی اور جج کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ قرآن جب کسی مسئلے پر وضاحت کے ساتھ "منصوص" طور پر یعنی نص قطعی کے ذریعہ روشنی ڈال دے تو پھر ایک مومن و مسلم کے لئے اس کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا +

---

[1] موطا امام مالک، کتاب القدر ۲/ ۹۹ ء (بیروت) [2] مستدرک حاکم، منقول از کنز العمال ۱/ ۱۴۲ (حیدرآباد)

مولانا عبدالقیوم حقانی

تبصرۂ کتب

فتاویٰ عالمگیری (مترجم) جلد ۷، ۳۳، ۴۹، ۵۰: مترجم: مولانا محمد صادق مغل ــــ صفحات: ۶۲، ۹۶، ۷۰ ــــ قیمت درج نہیں
ناشر: مجلس منتظمہ اشاعتِ عالمگیری، اعوان ٹاؤن نئی آبادی ۲ گرجا روڈ، جی پی او راولپنڈی

خالقِ کائنات نے دینِ اسلام سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کائناتِ ارضی کی اصلاح و فلاح کیلئے ایک کامل، جامع اور بطور آخری نظامِ حیات مرحمت فرمایا۔

اس نظامِ حیات پر عمل پیرا ہونے کے لیے کتاب و سنت، اجماعِ امت اور ان سے ماخوذ ان تفصیلی احکام کے علم کی ضرورت ہے جن کی تحقیق و تدوین میں مجتہدینِ اسلام نے مختلف ادوار میں گرانقدر خدمات انجام دیں، اور ان میں سے جن عالی پایہ تحقیقات پر عالمِ اسلام کی اکثریت اور سرزمینِ پاکستان کے جمہور قرنہا قرن سے نسل در نسل ترجیحی اعتماد اور والہانہ عقیدت رکھتے ہیں وہ اہلِ سنت والجماعت فقہائے احناف کی معتمد تحقیقات ہیں۔

احناف کی ان ہزار سالہ تحقیقی کاوشوں سے، جمہور احناف کا مسلک یکجا کرنے کے لیے گیارہویں صدی ہجری میں ماہرینِ اسلام کی عظیم تر جماعت نے سالہا سال کی محنتِ شاقہ کے بعد زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اسلامی احکام کا جو معتمد اور مستند اور جامع مجموعہ عربی زبان میں مدوّن کیا وہ عالمِ اسلام کے سوادِ اعظم سبھی احناف کے ہر مکتبِ فکر میں مقبول اور عالمی شہرت کا حامل مجموعہ احکامِ اسلام "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے مشہور ہوا اور یہ فتاویٰ آج بھی اسلام کے تفصیلی احکام میں جمہور پاکستان کو فکری طور پر قریب تر لانے اور پاک قوم کو شاہراہِ اتحاد پر گامزن کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

لہٰذا اسی ذریعۂ اتحاد اور شہرۂ آفاق فتاویٰ "فتاویٰ عالمگیری" کی اہم مباحث کو مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیریہ پہلی بار عربی متن اور ضروری حواشی سمیت نمبروار احکام کے ساتھ قومی زبان اردو میں اور جدید اسلوب میں پیش کر رہی ہے۔
پیشِ نظر جلدیں بھی اسی سلسلہ مہم کی ایک کڑی ہے جن میں کتاب الرضاع، کتاب العاریہ، کتاب التحری، کتاب احیاء الموات سے متعلق تمام مسائل آ گئے ہیں۔ مجلس منتظمہ کے ناظمِ اعلیٰ و مترجم جناب محترم مولانا محمد صادق مغل اپنی اس عظیم علمی کاوش پر جمہور اہلِ سنت سے ہدیۂ تبریک اور شکریئے کے مستحق ہیں کہ اس سلسلہ کی شائع ہونے والی تمام جلدوں کے ترجمہ و طباعت میں عمدہ معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صحافت

مصنف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ـــــ صفحات: ۲۲۳ ـــــ قیمت ۶۰/- روپے
ناشر: ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان کراچی ۷۵۸۰۰

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری اردو کے نامور محقق ہیں اور قارئینِ "الحق" کے حلقے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی سیاسی تاریخ اور تحریکاتِ ملی پر اُن کی گہری نظر ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے محقق کی حیثیت سے وہ ایک مانی ہوئی شخصیت ہیں۔ مولانا آزادؒ پر ایک درجن سے زیادہ ان کی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ اب حال ہی میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صحافت کے عنوان سے ان کی نئی تحقیقی کتاب مطبوعات مولانا آزاد صدی کے نمبر ۲ کے طور پر آئی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ ایک مختلف الجہات شخصیت تھے۔ وہ ادیب تھے، شاعر تھے، انشا پرداز تھے، عالم دین تھے، مفسر تھے اور ایک بہت بڑے مدبر اور سیاست دان تھے لیکن ان کی خدماتِ علمی و ادبی اور سیاسی و ملی اور دینی کا بہت بڑا میدان صحافت تھا۔ صحافت مولانا آزاد کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی تھی صحافت ہی کے ذریعے وہ سیاسی ور دینی خدمات کے میدانوں میں متعارف ہوئے تھے ـــــ ڈاکٹر ابوسلمان نے ان کی ابتدائی صحافت سے لے کر "الہلال" و "البلاغ" تک اُن کی خدمات کا تذکرہ نہایت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔

کتاب سفید کاغذ پر چھپی ہے، کتابت اور طباعت اچھی ہے، مجلد ہے اور خوب صورت گرد پوش سے مزین ہے۔

اسلامی نظام اخلاق (جلد اوّل)

تالیف: مولانا سید تصدق بخاری ـــــ صفحات: ۵۶۸ ـــــ قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ: مولانا سید تصدق بخاری، مغربی عقب بوتالہ روڈ قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات، تعلیمات اور حیات مبارکہ کے تمام لمحات، انسان کی انفرادی، اجتماعی، خانگی، ملی، عدالتی، عسکری، عبادتی، اعتقادی، حکومتی، سفارتی، معاشرتی، اخلاقی، معاشیاتی، غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے شمع ہدایت ہیں۔ اسی کا دوسرا نام اُسوۂ حسنہ یا اسلام کا نظام اخلاق ہے۔ پیشِ نظر کتاب اس اجمال کی تفصیل اور مؤلف کی پرخلوص کاوش کا حسین ثمرہ ہے۔ ۵۶۸ صفحات کی اس کتاب میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور نظام اخلاق کے اہم زاویوں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال دینے کے نقد ثمرات و برکات اور ادیانِ عالم واز مہائے کائنات میں اس کی برتری و فوقیت ثابت کی گئی ہے۔ مؤلف کی کاوش قابلِ تحسین ہے، اسلامی کتب خانے میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، خدا کرے کہ قارئین بھی اس کی واقعی قدر کر سکیں۔

تاریخ و تحقیق اہلبیت

تالیف: مولانا سید تصدق بخاری ـــــ صفحات: ۳۵۵ ـــــ قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ: مولانا سید تصدق بخاری، مغربی عقب بوتالہ روڈ قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ

جس طرح یہودیت کی فتنہ پردازیوں اور بہتان تراشیوں سے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم

سلام اللہ علیہا بھی محفوظ نہ رہ سکے، اسی طرح امہات المومنین ازواج مطہرات، اصحاب ثلثہ، بنات مطہرات بالخصوص صدیقۂ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہن کے خلاف بھی رفض وعداوت اور سبائیت کی صورت میں یہودیت نے خفیہ سازشوں، شاخسانہ چالوں اور ریشہ دوانیوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد (حضا) کو دینی مرکزیت دے دی گئی۔ صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ اور خلفاء راشدینؓ کے خلاف طعن وتشنیع اور امہات المومنینؓ کو قرآن پاک کے واضح اعلان کے باوصف اہل بیت عظام سے خارج قرار دیا گیا، اور بعض کور بختوں نے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے مجد وشرف سے بھی خارج قرار دے دیا —
پیش نظر کتاب میں فتنۂ سبائیت کا بھرپور تعاقب اور قرآن وسنت کی روشنی میں مسلک حقہ اور تاریخ وتحقیق اہلبیت کی علمی اور تاریخی توضیح کر دی گئی ہے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب دلچسپ اور اہل تحقیق وارباب ذوق کی توجہ طلب ہے۔

مُعین الحجاج

تصنیف: حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب — صفحات: ۴۴۴ — قیمت: -/۳۰ روپے
ناشر: مکتبہ رشیدیہ قاری منزل پاکستان چوک کراچی

حج اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، اور جب یہ مبارک سفر پیش آتا ہے تو سفر کی دیگر صعوبتوں کے ساتھ عام مسلمان کے لیے جن کے کان زندگی بھر حج وعمرہ اور زیارت کی اصطلاحات اور آداب سے آشنا نہیں ہوتے۔ صحیح حج وعمرہ کرنا اور مدینہ طیبہ کے سفر اور زیارت کے تمام آداب ومستحبات بروئے کار لانا ایک اچھا خاصا معرکہ ہوتا ہے — اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب کو جنہوں نے اپنی اس عظیم کاوش کے ذریعہ "سفر حج وعمرہ اور زیارت" پر جانے والے کیلئے گھر سے لے کر واپسی تک قدم بقدم پیش آنے والے تمام مسائل کا سادہ اور عام فہم زبان میں احصاء کر دیا ہے۔ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں تقریباً اڑھائی صد عنوانات میں "سفر حج وزیارت" کی اہم ہدایات ایمان افروز دعائیں، قابل قدر تاریخی معلوماتی مضامین اور سینکڑوں مسائل آگئے ہیں، بعض ایسے نادر مسائل بھی ہیں جن کی طرف بعض اوقات طالب علموں کا بھی دھیان نہیں جاتا مثلاً ص۲۴ پر ہے "احرام کی حالت میں طواف کے وقت حجر اسود کو بوسہ دینے میں احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ اس پر خوشبو لگی ہوتی ہے"۔

ہماری رائے میں زائرین حرمین شریفین زادہما اللہ عزاً وشرفاً کے ہاتھ میں اگر یہ کتاب موجود ہوگی تو ان کے لیے لمحہ بہ لمحہ انشاء اللہ راہنما ثابت ہوگی۔ (قاضی عبدالحلیم حقانی)

استدراک

گذشتہ شمارہ میں غلطی سے ماہ کا اندراج نہ ہو سکا جس پر ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ لہٰذا گذشتہ شمارہ کو رجب ۱۴۱۰ھ بمطابق فروری ۱۹۹۰ء کا شمارہ تصور کیا جائے۔ (ادارہ)

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK